

بڑا آدمی

سیاس گل

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔

www.pakistanipoint.com

بڑا آدمی

سیاس گل



مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔

www.pakistanipoint.com

برادری

کتابی شکل مشن: پاکستانی پوائنٹ کمپوزنگ ٹیم

پاکستانی پوائنٹ کوئی تجارتی ویب سائٹ نہیں ہے یہاں پر موجود ناو لز بالکل مفت ہیں۔ اس مشن کا مقصد صرف اردو ادب کی خدمت کرنا ہے تاکہ جو لوگ وطن سے دور ہیں اور اردو کتب حاصل نہیں کر سکتے، وہ یہاں سے ڈاؤنلوڈ کر لیں۔ اگر آپ اردو لکھنا جانتے ہیں تو آپ بھی روز کا ایک صفحہ کمپوز کر کے اس مشن کا حصہ بن سکتے ہیں۔ مزید معلومات کے لئے، سپر موڈز: صبا گل، تتلی، ٹیم لیڈر: ایم وائے صائم، مینجمنٹ: حبیب یاقار سے رابطہ کریں، شکریہ



گھنٹی کی آواز سن کر ابراہیم نے گہری نیند سے آنکھیں کھولیں تھیں۔ شکر لال کارنس پہ رکھی بھگوان کی مورتی کے سامنے کھڑا گھنٹی بجا رہا تھا۔
"یہ لو۔۔۔ بھگوان کو گھنٹی بجا بجا کر جگا رہا ہے۔"

ابراہیم بڑبڑایا اور مندی مندی آنکھوں سے شکر لال کو تکتے لگا۔ جو گھنٹی رکھ کر اب اپنے دونوں ہاتھ جوڑے اور آنکھیں بند کر کے نجانے بھگوان سے من ہی من میں کیا راز و نیاز کر رہا تھا؟

"ارے بھئی شکر لال، اتنی رات کو بھگوان کو کیوں تنگ کر رہے ہو؟ انہیں بھی آرام کرنے دو، اور ہمیں بھی۔" ابراہیم نے نیند میں ڈوبی آواز میں کہا تو شکر لال کا ارتکاز ٹوٹ گیا وہ بے چینی کے عالم میں ابراہیم کے پلنگ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بہت پریشان لہجے میں بولا۔

"وہ کیا ہے کہ ابراہیم بابو! ہم نے بہت ڈراؤنا، بہت عجیب سپنا دیکھا ہے ابھی۔"
"تو بھگوان سے کیا تم سپنے کی تعبیر پوچھ رہے تھے؟" ابراہیم نے مسکرا کر پوچھا تو ایک دم اٹھ کر ہاتھ جوڑے پھر سے بھگوان کی مورتی کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اس کے بدن سے پسینہ پھوٹ رہا اور آواز کانپ رہی تھی۔

"نہیں ابراہیم بابو! میں تو بھگوان سے پراتھنا (دعا) کر رہا ہوں کہ میرا سپنا سچا نہ ہو۔"

"ایسا کیا دیکھ لیا شکر لال؟"

"ابراہیم بابو! میں نے دیکھا کہ۔۔۔۔ میں۔۔۔۔"

"رک کیوں گئے؟ شکر لال بتاؤنا ایسا کیا دیکھ لیا تم نے؟ کہ تمہاری نیند اڑ گئی۔ سپنے چھوٹ گئے۔ رنگ فق ہو گیا؟" ابراہیم کو بھی تجسس کے مارے اٹھ کر بیٹھنا پڑا۔
"وہ میں نے دیکھا کہ۔۔۔ زبان ساتھ نہیں دے رہی ابراہیم بابو، آنکھوں نے جو دیکھا ہے۔۔۔ وہ زبان تک آنے کا حوصلہ نہیں کر پا رہا۔" شکر لال نے حواس باختہ سے انداز میں کہا۔

"لگتا ہے کچھ انہونی ہو گئی تمہارے ساتھ سپنے میں؟"

"ایسی ویسی انہونی؟" شکر لال نے ابراہیم کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا۔

"ہمارا تو دھرم، بھرم، جسم سب پاپ میں پڑ گیا۔ سنسار بدل گیا، دنیا ہی اور تھی وہ اور ہم تھے۔"

"ابے یار شکر لال سو جا بھائی تو بھی سو جا اور مجھے بھی سونے دے اور اپنے بھگوان جی کو بھی سونے دے آرام سے۔ صبح اٹھ کر ان سے خواب کی تعبیر پوچھ لینا۔" ابراہیم نے الجھن زدہ لہجے میں کہا اور جمائی لیتے ہوئے پھر سے لیٹ گیا۔

"نہ ابراہیم بابو! اب مجھے نیند نہیں آنے کی۔"

"اچھا بھائی تو باہر جا کر چوکیداری کر لے۔ وہ برابر والے مرزا صاحب کہہ رہے تھے کہ ان کے کھیت سے روز رات کو کوئی مولیاں، شلجم، گاجر توڑ کے لے جاتا ہے، جاؤ جا کے ان کے سبزی چور کا پتا لگاؤ۔ اگر تم نے اس سبزی چور کو پکڑ لیا نا تو سمجھو روزانہ مفت کی سبزی ملا کرے گی تمہیں۔ اتنی مہنگائی میں جب کہ سبزی سونے، چاندی کے بھاؤ بک رہی ہے تمہارا یہ خرچہ تو بچ جائے گا۔" ابراہیم نے سنجیدہ مگر پر مزاح انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ شکر لال کسی اور ہی خیال میں گم تھا۔ کھوئے کھوئے لہجے میں گویا ہوا۔

"چور۔۔۔۔۔ سبزی چور۔۔۔ ابراہیم بابو ایک بات بتاؤ؟"

"ہوں، پوچھو۔"

"چوری کیا صرف چیزوں کی ہوتی ہے؟ مطلب، سبزی ترکاری، سونے چاندی، کپڑے گہنے، روپے پیسے، کی چوری ہوتی ہے اور بس؟" شکر لال نے ابراہیم کی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو شکر لال؟"

"کیا مذہب کی دھرم کی چوری نہیں ہوتی؟ ایک دھرم پہ رہتے ہوئے، کسی دوسرے دھرم کے آگے ماتھا ٹیکنا، ہاتھ جوڑے بھگوان کی مورتی کے آگے اور ماتھا مسجد کے مصلے پر ٹیکے۔ جاگے تو بے ماتا دی اور سوئے تو۔۔۔۔۔"

"سوئے تو۔۔۔ بول نا شکر لال؟"

"زبان ساتھ نہیں دیتی ابراہیم بابو۔" شکر لال بے بسی سے بولا۔

"دل ساتھ دے رہا ہے؟" ابراہیم نے سوال کیا۔

"دل تو چور بنا بیٹھا ہے۔"

"کیوں کیا چوری کر لی؟" ابراہیم نے اس کے چہرے پر پھیلی بے چینی اور الجھن کو دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔

"کسی لڑکی وڑکی کا چکر تو نہیں ہے شکر لال؟"

"ابراہیم بابو! لڑکی کا چکر ہوتا تو اتنی چنتا (فکر) نہ ہوتی۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔

"ہائیں! یعنی لڑکی چکر سے زیادہ بڑا بھی کوئی چکر ہے جو پریشان کر سکتا ہے تم جیسے جوان کو؟"

"دھرم سے بڑا کوئی چکر ہو گا کیا؟" شکر لال نے سنجیدگی سے پوچھا تو ابراہیم جھنجھلا سا گیا اور تھک کر بولا۔

"ابے یار رات کے اس پہر تو کون سا فلسفہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے؟ سو جا یار۔"

"کیسے سوؤں ابراہیم بابو!؟" وہ تھکے تھکے انداز میں اپنی چارپائی پر ڈھے سا گیا۔ "میری نیند تو میرے سپنے نے اڑا دی ہے ڈرتا ہوں کہ کہیں پھر سے سو گیا تو وہی سپنا نہ دکھائی دے جائے۔"

"شکر لال! اب تم مجھے اپنا سپنا سنا رہے ہو یا میں سو جاؤں؟" ابراہیم نے سنجیدگی سے اسے دھمکایا۔

"وہ ابراہیم بابو! "شکر لال اپنی انگلیاں آپس میں پیوست کرتے ہوئے چور لہجے میں بولا۔" میں نے دیکھا کہ میں۔۔۔ میں شکر لال، ہندو مذہب کا پیروکار مسجد میں جھاڑو پھیر رہا ہوں۔"

"کیا؟" ابراہیم حیرت سے اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ "کیا کہا تم نے؟"

"آپ کو بھی سن کے جھٹکا لگا نا۔ تو میری کیفیت کا اندازہ آپ خود لگالیں کہ میں نے یہ سپنا دیکھا ہے تو میرا کیا حال ہوا ہو گا؟" شکر لال نے بے بسی سے کہا۔ "ہوں۔۔۔ ٹھیک کہتے ہو شکر لال، اچھا تو تم نے واقعی خواب دیکھا کہ تم مسجد میں جھاڑو لگا رہے ہو۔"

"جی ابراہیم بابو! وہ جہاں آپ نماز پڑھنے جاتے ہو۔ اسے مسجد کہتے ہونا؟ وہی تھی، سبز گنبد، سفید مینار والی مسجد، جھاڑو دیتا شکر لال، مصلے بچھاتا کٹر ہندو۔۔۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے ابراہیم بابو۔"

"اس (اللہ) کے لیے سب ممکن ہے۔" ابراہیم نے دیوار پر لگی خانہ کعبہ کی بڑی سی تصویر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"پر میں تو یہاں نوکری کرنے آیا تھا، مسلمان ہونے نہیں۔ کام ڈھونڈنے آیا تھا، بڑا آدمی بننے کے لیے گھر سے نکلا تھا۔" شکر لال چھبیس برس کا واجبی شکل و صورت کا دبلا پتلا جوان تھا۔ پکا سانولا رنگ، بڑی بڑی آنکھیں، گھنگریالے کالے بال، ساڑھے پانچ فٹ قد، تعلیم بی اے تھی مگر عقل کی اے بی سی سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا یہ اس کے گھر والوں کا خیال تھا، اس کے بارے میں۔

"شکر لال! آدمی اگر من سے مسلمان ہو جائے تو سب کام سنور جاتے ہیں، بگڑی بن جاتی ہے، کھوئے مل جاتے ہیں، گناہ دھل جاتے ہیں، پھر ہر کسی کی نوکری نہیں کرنی پڑتی، بس ایک کی نوکری کرنی ہوتی ہے۔" ابراہیم نے اسے سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کون سی نوکری ابراہیم بابو؟" شکر لال نے سوال کیا۔ "بندے کی یا بھگوان کی؟" "اس کی نوکری جس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے وہ واحد لا شریک ہے۔" ابراہیم نے سنجیدگی سے کہا۔

"نوکری، چاکری، غلامی، جمادری، یہ سب تو خانقاہوں، مزاروں مسجد درگاہوں پہ ملتی اور ہوتی ہے نا؟" شکر لال بولا۔

"تو سمجھ لے شکر لال، کہ تجھے مسجد کی نوکری مل گئی، کسی اللہ والے کے مزار پہ مجاور بنے گا یا مسلمان ہو کے۔۔۔"

"نہ جی نہ، مجھے کچھ نہیں بننا۔ نہ مسلمان ہونا ہے۔ رام بھگوان شاکر دیں بھگوان۔" شکر لال نے تیزی سے بے کلی سے ابراہیم کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتا، بھگوان کی مورتی کے سامنے ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا اور معافی طلب کرنے لگا اور ابراہیم اس کی طرف دیکھتے ہوئے زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔

"اتنی تیزی سے نیند سے جاگ کے بھگوان کو یقین، تسلی دلا رہا تھا کہ فکر نہ کرو بھگوان جی میں آپ ہی کا پجاری ہوں، یہ ایک سپنا مجھے کہیں نہیں لے جانے کا، مجھے آپ کے چرنوں سے دور نہیں کرنے کا، آپ یقین رکھنا۔ پتا نہیں وہ بھگوان کو یقین دلا رہا تھا یا خود اپنے آپ کو؟" بہر حال جو تھا شکر لال کا حال اس وقت خاصا بے حال تھا۔

"میرے خواب کا انجام کیا ہو گا؟ ابراہیم بابو؟" شکر لال نے بے کلی سے ابراہیم کی طرف رخ موڑتے ہوئے پوچھا تو اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بتایا تو ہے۔"

"من نہیں مانتا۔"

"اچھا تو من کو کھلا اور آزاد چھوڑ دو اور دیکھو۔ اللہ اسے کس راستے پہ لے جاتا ہے؟"

"میں نے کس رستے پہ جانا ہے جی؟ بھگوان کو مانتا پوجتا ہوں ہندو ہوں، جدی پستی ہندو ہوں، تلک لگاتا ہوں، آرتی کرتا ہوں، مندر جاتا ہوں، پرساد بانٹتا اور لیتا ہوں، مندر کی گھنٹی اور بھجن، آنکھ کھلتے ہی سننے کو ملے تھے، اب گیتا بھی پڑھ لیتا ہوں۔ آج تک وہی بھجن گا رہا ہوں۔ اس کے آگے ماتھا ٹیکتا ہوں، ہاتھ جوڑ کے مانگتا ہوں۔ پھر بھلا مسلمان کیسے ہو سکتا ہوں؟" شکر لال نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ جو تیرے سپنے میں آسکتا ہے نا، وہ کچھ بھی کرا سکتا ہے۔ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں اس کے تو ایک "کن" کہنے پر کل کائنات کا نظام بن و بگڑ جائے، مردے میں جان پڑ جائے اور جان دار کی جان نکل جائے۔ بے دین، دیندار ہو جائے، کافر مسلمان، ہو جائے۔۔۔ وہ جو چاہے سو کرے۔ اگر وہ تمہیں مسجد میں دیکھنا چاہتا ہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔" ابراہیم مسکراتے ہوئے نرمی سے بولا۔

"ایسا کچھ نہیں ہونے کا جی، سپنے کون سا سچ ہوتے ہیں۔ اور وہ تو میں آپ کے ساتھ رہتا ہوں نا، آپ کو نماز، قرآن پڑھتے دیکھتا ہوں، اذان سنتا ہوں، مسجد کے پاس سے ہر روز گزرتا ہوں، نمازیوں کو دیکھتا ہوں تو۔۔۔ اسی لیے تو یہ سب

میرے دماغ میں محفوظ ہو گیا اور مجھے سپنے میں نظر آگیا۔ "شکر لال نے ابراہیم سے زیادہ خود کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"دل کے بہلانے کو یہ خیال اچھا ہے۔" ابراہیم ہنس پڑا۔

"ہاں تو اور کیا شکر لال؟ اب اگر تم مجھے نماز پڑھتے، مسجد جاتے دیکھتے ہو تو میں تمہارے سپنے میں کیوں نہیں نظر آیا؟ نظر تو صرف وہ (اللہ کا گھر) آیا ہے اور دوسرا وہ (یعنی شکر لال) جسے مالک اپنے گھر کا رستہ دکھانا چاہتا ہے۔" ابراہیم نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ مزید بے کل ہو گیا۔

"وہ کیا بتانا چاہتا ہے مجھے؟"

"وہ کون؟" ابراہیم نے مسکراتے ہوئے شرارت سے پوچھا۔

"وہ۔۔۔ جسے آپ "اللہ" کہہ کے پکارتے ہو؟" وہ جھجکتے ہوئے بولا۔

"وہ یہی چاہتا ہے کہ تم "اللہ" کو پکارو۔" اسی لمحے دور کی کسی مسجد سے موذن کی آواز آئی۔

"اللہ اکبر، اللہ اکبر"

"سنا تم نے شکر لال وہ پکار رہا ہے، بلا رہا ہے اپنی جانب، اپنے رستے پہ، صراط مستقیم پر چلنے کے لیے پکار رہا ہے۔" ابراہیم نے اسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر نرمی سے کہا۔

"وہ آپ کو پکار رہا ہے ابراہیم بابو! وہ انہیں پکار رہا ہے جو اس کے ماننے والے ہیں۔" شکر لال نے جواب دیا مگر دل کے اندر عجیب سی بے کلی اور ہلچل مچ گئی تھی اذان کی آواز سن کر۔

"نہیں شکر لال، وہ ہم سب کو پکار رہا ہے۔ دن میں پانچ بار پکارتا ہے۔ کسی دن چلو نا ہمارے اللہ جی کے گھر۔ مجھے یقین ہے تم ان سے مل کر خوش ہو گے۔ میرا "اللہ" تمہیں پسند آئے گا۔"

"اور کیا میں "اللہ" کو پسند آ جاؤں گا؟" شکر لال کا سوال ابراہیم کے ہونٹوں پر تبسم بکھیر گیا۔ وہ بہت پیارے لہجے میں کہنے لگا۔

"جسے وہ پسند نہ کرے، اس کے خوابوں میں آ کے تو نہیں ملتا نہ اس سے۔۔۔۔۔ اس کے سپنوں میں آ کے دعوت تھوڑی دیتا ہے۔۔۔۔۔ بس جو اسے پسند آ جائے اس کے پاس تو وہ خود ہی دوڑا چلا آتا ہے۔۔۔۔۔ اسے تو وہ خود ہی اپنے پاس بلا لیتا ہے۔"

"مم۔۔۔۔۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"کہاں جائے گا شکر لال؟ اس سے چھپ کر، اس سے بچ کر، کہاں چھپے گا؟ کہاں بھاگے گا اس کی نظروں سے اوجھل ہو کر؟ وہ تو خود تیرے پاس، آن پہنچے گا جیسے تیرے سپنے میں آ گیا تھے جگانے۔۔۔۔۔ تو شکر لال، مجھے لگتا ہے وہ تجھے جگائے بغیر ان مانے گا نہیں۔ میری مان! اس (اللہ) کی مان لے۔ ایمان سے کم یہ نہیں ٹلنے کا۔ کلمے سے کم یہ راضی نہیں ہو گا وہ۔۔۔۔۔ تو چاہے کہیں بھی چلا جا کہیں بھی جا کے چھپ جا۔۔۔۔۔ اس سے نہیں چھپ سکتا، ارے وہ تو تیرے اندر گھسا بیٹھا ہے۔۔۔۔۔ اب آہستہ آہستہ پردہ سرک رہا ہے۔ وہ تو تیرے نینوں میں سپنوں میں آ بیٹھا ہے، اس سے چھپ کر تو کیسے کہیں جائے گا شکر لال؟"

"جی علی الفلاح، جی علی الفلاح۔" کی آواز سماعتوں میں پڑی تو ابراہیم پھر سے بولنے لگا۔

"سنا تو نے، وہ بلا رہا ہے، آؤ بھلائی کی طرف، آؤ خیر کی طرف۔"

"اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ سب سے بڑا ہے، جی جی تو ایک ہندو کے سپنے میں بھی آ جاتا ہے، اسے جگانے کے لیے۔۔۔۔۔ کنفیوز کر دیا نا اس نے تجھے۔ تیری یہ کشمکش ختم کر کے ہی رہے گا۔ تو یہاں تو بھاگ سکتا ہے پر اس سے نہیں بھاگ سکتا۔"

تھا۔ سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے ماں باپ کا لاڈلا تو تھا مگر بھائیوں، بہنوں کا چہیتا، بس تب تک ہی رہا جب تک وہ سب ایک ایک کر کے بیاہے نہ گئے۔ گھر میں بھابیاں آگئیں تو چھوٹے شکر لال اور بھی چھوٹے ہو گئے، ہوٹلوں، ورکشاپ، چائے خانوں اور مل کارخانوں میں کام کرنے والے چھوٹے جیسی حیثیت ہو گئی تھی، شکر لال کی۔ ایک بات جو اسے اپنے دوسرے بھائی بہنوں سے ممتاز کرتی تھی وہ اس کی تعلیم تھی۔ اس نے اسکول کے بعد کالج جا کے بی اے کیا تھا۔ وہ پڑھائی میں تو بہت لائق تھا مگر اپنے بھائی بہنوں اور دوسرے لوگوں کی طرح تیز طرار اور چالاک نہیں تھا۔ بھائی آٹھویں، میٹرک سے بھاگ گئے تھے اور بہنوں نے آٹھویں، دسویں کر کے بیاہ رچا لیا تھا۔ شکر لال کے باپو مدن لال اور ماں سیتا لال اسے آگے پڑھنے کا سبق پڑھایا کرتے، شکر لال کے اندر ایک سیوک چھپا تھا، وہ ہر کسی کی خدمت کرنے اور ہر کسی کے کام آنے میں بہت تیز تھا۔ گھر والوں کے کام تو وہ یوں بھاگ بھاگ کر کرتا جیسے وہ اسے بہت عزت و محبت سے رکھتے ہوں، اس کا جی بھر کے خیال رکھتے ہوں، اس پہ جان نچھاور کرتے ہوں۔۔۔۔۔ پر ایسا کچھ نہیں تھا وہ اپنی خوشی سے سب کے کام کرتا تھا۔ اور جواب میں کوئی اسے شکریہ کا ایک

"آپ مجھے ڈرا رہے ہیں؟" شکر لال نے استفسار کیا، اس کی آنکھوں میں وحشت سی بھری تھی۔

"نہیں سمجھا رہا ہوں کہ اگر اس نے ٹھان لی ہے تو پھر تو مزاحمت، انکار، تکرار، سب بیکار ہے، چلتا ہوں۔ نماز نہ نکل جائے میری۔۔۔ بھگوان جی آڑے نہ آئیں تو میرے پیچھے پیچھے آجانا۔۔۔ نیت تم کرو، وضو ہم کرا دیں گے۔۔۔ مسلمان وہ (اللہ) کرا دے گا۔ مسلمان ہو گئے تو سجدہ کرنے کو دل اپنے آپ چاہے گا۔ اس کے سامنے زمین پر ماتھا ٹیکنے اور جھکنے سے انسان کتنا اوپر اٹھ جاتا ہے اگر وہ جان لے تو اس کی دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں۔۔۔ اللہ اکبر۔" ابراہیم اپنی بات مکمل کر کے سر پر ٹوپی پہنتے ہوئے مسجد کی طرف نکل گیا اور شکر لال کا بے کل دل مزید بے کل ہو کر اس کے پیچھے ہی نکل گیا تھا۔ آنکھیں بھگوان کی مورتی پہ ٹکی تھیں، کان "اللہ اکبر" کی صدا پر چوکنے تھے، دماغ میں سپنا گھوم رہا تھا، اس کا سر گھوم رہا تھا، اس کے ارد گرد سب کچھ گھوم رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شکر لال کا تعلق ایک کٹر ہندو گھرانے سے تھا۔ بھرے پورے گھر کا جی تھا وہ۔ ماں باپو کے علاوہ چار بھائی اور تین بہنیں بھی تھیں اور وہ ان سب میں آخری نمبر پر

لفظ بھی نہ بولتا، الٹا اسے طعنے سننے کو ملتے کے۔۔۔۔۔ کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا۔۔۔۔۔

"ہڈ حرام ہے مفت کی روٹیاں توڑتا ہے اگر ہمارے چھوٹے موٹے کام کر دیتا ہے تو کوئی احسان نہیں کرتا ہم پر۔" یہ اس کی بھابیوں کے خیالات تھے شکر لال کے بارے میں۔

"بی اے کر کے کون سا تیر مار لیا اس نے عقل کی اے بی سی تو آوے نہ اسے۔۔۔ بات جو جب ہے کہ یہ کوئی تگڑی پگار (تنخواہ) والی نوکری ڈھونڈ کے دکھا دے۔" بڑا بھائی کہتا تو منجھلا بھی پیچھے نہ رہتا۔

"ہاں تو اور کیا اماں اپنا کنبہ ہے ہم کیا اب اسے بھی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پالیں گے؟"

"کتنی دفعہ بولا اس سے کہ مزدوری کر لے، کوئی ٹھیلہ لگا لے پر نہ جی اس کی تو تعلیم کی بے اجتی (بے عزتی) ہو جاوے گی کے لاٹ صاحب نے چودہ جماتاں پاس کری ہیں تو بہت بڑی افسری کی نوکری ہی ان کے بھیجے میں سماوے گی۔" منجھلے سے چھوٹا بولتا۔

"کھانا پینا، پہننا اوڑھنا سب کچھ تو پورا ہو رہا ہے۔ پھر یہ کیوں کرنے لگا نوکری، مزدوری۔۔۔۔۔ ماں باپ کا لاڈلا ہے نا۔۔۔۔۔ ساری زندگی اسے گود میں بٹھا کے کھلاویں گے۔

کما کے لاوے گا تب اسے پتا چلے گا کہ پیسے کیسے کمائے جاویں؟" چوتھے نمبر والا بھی شکر لال کو جلی کٹی سنانے میں اپنا حصہ ڈالتے ہوئے کہتا۔ شکر لال اپنے سگے بھائیوں کی باتیں سن کر شرم سے زمین میں گر جاتا۔ کسی کو احساس تک نہ ہوتا کہ ان کی یہ باتیں اس کے دل میں کتنے چھید کرتی ہیں۔

"دیکھ شکر لال، جب تک تو کمانے جو گا نہ ہو گا تجھے طعنے سننے کو ملتے رہویں گے، کوئی کام دھندا ڈھونڈ اپنی روٹی، کپڑے جو گا تو جا۔" دوسری بہن کہتی۔

"دیکھو میرے بھائی! میں تو صاف صاف کہوں گی چاہے تجھے برا لگے کہ بھلا میری یہ بات اپنے پلو سے باندھ لے تو، ماں باپ کو بھی کماؤ پوت ہی اچھے لگیں، ابھی تک تو باپ کی کمائی پہ کھا، پہن رہا ہے اور بھائیوں نے طعنے دے دے کے تیرے ناک میں دم کر رکھا ہے ذرا سوچ اگر ماں باپ کو کچھ ہو گیا تو کون تیرا خرچہ اٹھائے گا؟ اور ماں باپ کب تک تیرے پہ پیار اور مامتا لٹاویں گے۔ ان کے ہوتے دے نوکری اور چھوکری کر لے ان کی آنکھ بند ہوتے تیرے بھائی تجھے آنکھ دکھانے لگیں گے۔" تیسری بہن جو اس سے ڈیڑھ برس بڑی تھی وہ کہتی۔

"شکر! تو محنت مزدوری کر لے اور اپنی الگ سے کھٹیا (جھونپڑی) ڈال لے۔ بیاہ کے بعد اس گھر میں نہ رہیو۔۔۔۔۔ ورنہ بھابھیاں تیرے کو تو نوکر بنا ہی چکے ہیں تیری گھر والی کو بھی ناکوں چنے چوادیں گی، اسے اپنی نوکرانی بنا کے رکھیں گی۔۔۔ عزت سے جینا ہے تو عزت سے کمانا شروع کر دے۔۔۔ دنیا تو دنیا۔۔۔۔۔ سگے بہن بھائی بھی رشتے کو نہیں ملتے۔۔۔۔۔ پیسے کو ملیں، پیسے کو۔۔۔۔۔ باپ بڑا نہ بھیا، سب سے بڑا روپیہ۔۔۔۔۔ سمجھ لے ابھی بھی وقت ہے ورنہ یونہی بھائی بھابیوں کے بچے پالنے، سوئی دھاگے، سبزی ترکاری لانے میں تیری عمر برباد ہو جاوے گی، ابھی تک تو ماں باپ کی آنکھوں کا تارا ہے، اگر یونہی رہا نہ تو ان کی آنکھوں میں بھی کھٹکنے لگے گا، بھائیوں، بھابیوں کو تو تو ویسے بھی ایک آنکھ نہیں بھاتا۔"

"پر میں تو ان سب کے کام آتا ہوں۔" شکر لال معصومیت سے کہتا۔
"ہاں اور ان ہی سب کی نظر میں تو کسی کام کا نہیں ہے۔" بہن اسے تلخ حقیقت سے آشنا کراتے ہوئے کہتی۔

"میں کیا کروں ایسا کہ وہ سب مجھ سے خوش ہو جائیں؟" وہ مشورہ مانگنے لگتا تو بہن کہتی۔

"تو کچھ بھی کر لے وہ تیرے سے خوش ہونے والے نہیں۔ تو نے جو کچھ کرنا ہے اپنے واسطے کرنا ہے، جب تو کما کے گھر لانے لگے گا تو ان کے منہ آپ ہی بند ہو جاویں گے۔ تو ان پہ ان کے بال بچوں پہ خرچ کرے گا تو وہ اپنی زبان قابو میں رکھیں گے نہیں تو جو سلوک وہ آج تیرے ساتھ کرتے ہیں وہ تو ہمیشہ کے لیے چلے گا اور بڑھے گا بھی۔۔۔۔۔ پیسہ میت ہے میرے بھائی، پیسہ کما پیسہ، یہ سب آپ ہی تیرے ہاتھ بکنے کو دوڑے چلے آویں گے۔"

"پر دیدی، بی اے پاس کو ایسی نوکری کہاں ملے گی کہ وہ ہزاروں کمائے؟" شکر لال کا منہ اتر جاتا۔

"او بدھو، تجھے جو بھی نوکری ملے کر لے، نوکری تو نوکری ہے چھوٹی کیا اور بڑی کیا؟ تو اپنے پیروں پر کھڑا ہو جا اپنا خرچہ اٹھانے کے قابل ہو جا۔۔۔۔۔ بیاہ کر کے بیوی بچوں کی ذمہ داری اٹھانے جو گا ہو جا بس۔۔۔۔۔ پھر کسی کا منہ نہیں رہنے کا تجھے باتاں سنانے کا۔"

"اری او کا ہے تو اپنی کھوپڑی خالی کرے ہے اس کے بھیجے میں بات نہیں آتی۔۔۔۔۔ ماں باپ ہیں ناں اس کو پالنے پوسنے کو۔۔۔۔۔ یہ کیوں محنت مزدوری کرنے لگا؟" باپو

پر یقین نہ آیا کہ یہ اس کا باپ کہہ رہا ہے، حیرت دکھ اور صدمے سے وہ ایک ٹک انہیں تکتے جا رہا تھا۔

"اب بول نہ بولتا کاہے نہیں؟" بڑا بھائی اکسا رہا تھا۔

"اس کی تو بولتی بند کرا دی تم سب نے۔" بہن نے ترس کھاتی نظروں سے شکر لال کو دیکھا تھا۔

"ہاں تو ہم کون سا گلت کہہ رہے ہیں۔ اس کا منہ ہے ای نہیں بولن جو گا۔" بڑا بھائی پھر سے بولا تھا، ماں نے تیزی سے اسے ڈپٹ کر کہا۔

"اچھا بس، بوت بڑ بڑ کر لی سب نے، تمہارا بولنا نا ہی بنے، ہم اس نے ماں، باپو یہ ہمارے بل پہ پل رہا ہے ایب (اب) تک تمہارا کسی کاتے آنہ، ٹکا، بی خرچ نہیں ہوا اس پہ۔"

"ماں! تجھے اور باپو کو حساب چاہیے ناں جو پیسہ تم دونوں نے میرے پہ خرچ کیا تھا اس پیسے کی واپسی چاہو نہ تم دونوں؟" بہت دیر بعد شکر لال کی زبان پر پڑا قفل کھلا تھا۔ اور اس کے سوال نے زیادہ نہیں مگر تھوڑا سا شرمندہ ضرور کر دیا تھا سیتا لال اور مدن لال کو۔ وہ نجل سے نظریں چرا گئے تھے۔

"اس کی عمر میں تو ہمارا بیابہ بھی ہو گیا تھا یہ سسر ابھی چھڑا پھر رہا ہے نہ کمانے کی فکر چتنا نہ گھر بسانے کی جلدی۔" بڑا بھائی پھر سے بولا تھا۔

"آپ لوگ چتنا (فکر) نہ کریں اب میں آپ سب پہ بوجھ نہیں بنوں گا اور ماں باپو آپ بے فکر ہو جاؤ اب آپ نے میرے پہ کچھ بھی خرچ کیا ہے نا۔۔۔ وہ پیسے میں تمہارے کو واپس کر دوں گا۔ میں جا رہا ہوں نوکری ڈھونڈنے۔" شکر لال نے بڑے دکھ بھرے اور سنجیدہ لہجے میں کہا تھا۔

"نوکری گم ہو گئی تھی کیا جو ڈھونڈنے جا رہا ہے تو۔" سب نے مٹھلے بھائی کی اس بات پہ تمسخرانہ قہقہہ لگایا اور شکر لال شرمندگی چھپاتا ہوا اپنا ضروری سامان سمیٹنے لگا۔ "لو بھئی، جا رہا ہے ہمارا شہزادہ ایب (اب) تو کچھ بن کے ہی گھر لوٹے گا۔" چوتھے نمبر والا بھائی اسے اپنے کپڑے صندوق میں رکھتے دیکھ کر بولا، لہجہ طنز و تمسخر سے پر تھا اور شکر لال کا دل دکھ سے بھر گیا۔

"ہاں آں۔۔۔۔ میرا یہ سپوت بہت بڑا آدمی بن کے آوے گا، کیوں بٹوا (بیٹا) آئے گا نا بڑا آدمی بن کے۔" مدن لال نے شکر لال کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جی باپو! بس آپ کا آشیر واد چاہیے۔"

"ہاہا، بڑا آدمی۔۔۔ تو آدمی بن جا کماؤ آدمی وہی بڑا کارنامہ اور بڑا کام ہو گا تیرے واسطے۔" بڑا بھائی پھر سے طنز بھرے لہجے میں بولا تھا۔

"کچھ بھی کر کے ماں باپو کا پیسہ چکا دیکھو۔" دوسرے نمبر والا بھائی بولا تھا اس کا یہ جملہ تیر کی طرح شکر لال کے سینے میں پیوست ہو گیا تھا، زبان تڑپ کر پھسلی تھی۔

"کیوں بھایا! تو نے بلکہ تم سب نے چکا دیا کیا ماں باپو کا پیسہ؟"

"ماں باپو نے اپنا فرض ادا کیا ہے اولاد کے واسطے تو سب ماں باپ کریں ہیں ہم پہ کیسا قرض؟" بڑی بہن بولی تھی۔ تو شکر لال زخمی مسکراہٹ لبوں پہ سجا کے بولا۔

"تو دیدی، مجھ پہ کیسا قرض؟ میں بھی تو ماں باپو کی سگی اولاد ہوں، حساب صرف مجھ سے ہی کیوں مانگا جا رہا ہے؟ تم سب نے کونسا قرض ادا کر دیا جو مجھ پہ برسنے لگے۔ خیر جا رہا ہوں اب کے لوٹوں گا تو ماں باپو کے پیسے جمع کر کے ہی لوٹوں گا۔ اس گھر نے بہت آسرا دیا مجھے، اتنے برس مجھے گرمی، سردی سے بچا کے رکھا ہے، ماں باپو نے پریم کیا مجھ سے میں ان سب کا قرض تو کبھی نہ چکا پاؤں گا، ہاں پیسہ لوٹانے کی اپنی پوری کوشش کروں گا۔ میرا کہا سنا معاف کر دینا آپ سب۔۔۔"

اچھا اماں! چلتا ہوں منے (مجھے) یقین ہے آپ سب کا آشیر واد میرے ساتھ رہے

گا۔" شکر لال نے نہایت سنجیدگی سے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے ماں، باپو کے پاؤں چھوئے، ہاتھ جوڑ کے نمستے کہا اور الوداعی نظر ان سب پر ڈالتا ہوا اپنا صندوق اور بیگ اٹھا کر گھر سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دن تھا اور آج کا دن تھا، شکر لال نے مڑ کر گھر کی شکل تک نہ دیکھی تھی۔ بڑا آدمی وہ اب تک بن نہیں سکا تھا، اور محنت، مزدوری کر کے جو کماتا وہ گھر اپنے باپو کو بھیج دیتا کہ باپو کا قرض جو اتارنا تھا۔ بس ماں باپو نے اپنے پالنے پوسنے کا حساب مانگ کر شکر لال کو گھرے دکھ سے دوچار کر دیا تھا، اور یہی صدمہ اسے ان کا پیسہ چکانے کے واسطے ہمہ وقت متحرک رکھتا تھا۔ شکر لال کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کہاں جائے گا اور کس کے پاس نوکری کرے گا؟ نوکری ملے گی بھی کہ نہیں؟ بس جو پہلی ٹرین ملی اس میں سوار ہو گیا اور ٹرین اسے ملتان ریلوے اسٹیشن پر پہنچا دیا۔ مسافر اترنے لگے تو وہ بھی ٹرین سے نیچے اتر گیا۔ انجان شہر، انجان لوگوں میں وہ خود کو بہت اجنبی اور عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔ اپنا سامان اٹھائے، حواس باختہ سا ادھر ادھر لوگوں کے ہجوم کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے وہ ابراہیم کی نظر میں آگیا۔ سفید پاجامے پر خاکی رنگ کا کرتا پہنے، ایک ہاتھ میں

کالا بیگ اور دوسرے ہاتھ میں صندوق اٹھائے، سانولی رنگت، کالے سیاہ گھنگھریالے بال، بڑی بڑی متحیر آنکھیں، ماتھے پر تک کا نشان لگائے وہ اپنے ہندو ہونے کی چغلی کھا رہا تھا۔ ابراہیم کو وہ اس بچے کی طرح دکھائی دیا جو ہجوم میں اپنے گھر والوں سے بچھڑ گیا ہو۔ خوف زدہ، گھبراہٹ، معصوم اور بے ضرر سا، ابراہیم اس کے قریب چلا آیا اور کہنے لگا۔

"لگتا ہے پہلی بار گھر سے نکلے ہو اور وہ بھی اکیلے اجنبی شہر میں، کیوں ٹھیک کہا نا؟"

"جج۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔" شکر لال نے گھبرائے ہوئے انداز میں ابراہیم کو دیکھا اور بمشکل حلق سے تھوک نگلتے ہوئے جواب دیا۔

"یہاں کس کے پاس آئے ہو؟ میرا مطلب ہے کوئی عزیز رشتہ دار ہے کیا؟ کوئی تمہیں لینے آئے گا؟"

"میں یہاں کسی کو نہیں جانتا جی، مجھے کون لینے آئے گا؟" شکر لال نے اسی گھبرائی ہوئی آواز میں جواب دیا تو ابراہیم مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں آیا ہوں ناں تمہیں لینے، چلو آؤ میرے ساتھ چلو۔"

"پر میں تو آپ کو جانتا ہی نہیں ہوں۔"

"لیکن میں تو تمہیں جانتا ہوں۔" ابراہیم اس کی معصومیت اور گھبراہٹ پر مسکراتے ہوئے بولا۔

"وہ کیسے جی؟" شکر لال کی آنکھیں حیرت سے مزید پھیل گئیں۔ "آپ کو کیا پتا میں کون ہوں؟" وہ گھبراہٹ ہوا تھا۔

"مجھے پتا ہے تم کون ہو؟ تم اللہ کے بندے ہو اور اللہ کے بندے کی مدد کرنا تو ایک انسان کا، مسلمان کا فرض ہے۔"

"آ۔۔۔۔۔آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے جی۔"

"کیوں کیا تم انسان نہیں ہو؟"

"میں مسلمان نہیں ہوں۔" شکر لال نے بتایا۔

"جانتا ہوں، تم ہندو ہو۔"

"پھر بھی آپ میری مدد کرو گے؟"

"ہاں آج میں تمہاری مدد کروں گا، کل اللہ میری مدد فرمائے گا۔ میں سینئر پوسٹ ماسٹر ہوں یہاں قریبی پوسٹ آفس میں، رہنے کو سرکار نے ایک کوارٹر دے رکھا ہے، میں اکیلا رہتا ہوں۔ جب تک تمہیں کھانا، آب و دانہ، ٹھکانہ نہیں مل جاتا تم

میرے ساتھ رہ سکتے ہو۔ سونے کو بستر اور کھانے کو دو وقت کی روٹی تمہیں مہیا کر دی جائے گی۔" ابراہیم نے اس کے ساتھ ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بدلے میں مجھے کیا کرنا ہو گا جی؟"

"بدلے میں مطلب؟" ابراہیم نے حیرانگی سے پوچھا۔

"مطلب یہ جی کہ آپ مجھے مفت میں تو یہ سب مہیا نہیں کریں گے ناں اس سب کے بدلے میں مجھے بھی تو آپ کے لیے کچھ کرنا ہو گا جی۔" شکر لال نے جواب دیا تو ابراہیم دھیرے سے ہنس پڑا۔

"نام کیا ہے تمہارا؟"

"شکر لال۔" وہ بولا۔

"تو میاں شکر لال، میں اللہ کے بندوں کی مدد اللہ کی خوشی اور رجا کے لیے کرتا ہوں۔ میرا اللہ کہتا ہے کہ بدلہ اور صلے کی تمنا صرف مجھ سے رکھو، میرے بندوں سے نہیں۔ مجھے اس نیک عمل کا صلہ، ثواب یا اجر میرا اللہ دے گا۔"

"اور اگر نہ دیا تو۔" شکر لال نے چھبتا ہوا سوال کیا۔

"مجھے اپنے اللہ کی دین پہ پورا بھروسہ ہے، اس کی عطا پہ مکمل یقین ہے۔ وہ "اللہ" ہے انسان تھوڑی ہے جو اپنے وعدے سے مکر جائے، اپنی بات سے پھر جائے۔" ابراہیم نے پر یقین لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تو شکر لال کھسیانا سا ہو گیا۔

"میرا نام ابراہیم ہے۔" اپنا تعارف کراتے ہوئے ابراہیم نے اپنا ہاتھ اس کی جانب مصافحے کے لیے بڑھایا تو وہ بوکھلا گیا، دونوں ہاتھوں میں سامان تھا، اس نے جلدی سے بیگ اپنے کندھے پر ڈالا اور ابراہیم کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔ ابراہیم کے مصافحہ کرنے کے انداز میں جتنی گرم جوشی تھی، اتنا ہی شکر لال کا انداز سرد تھا۔ ابراہیم نے اس کے اس بے مہر اور سرد انداز کو محسوس کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بے یقینی میں گھرے ہو، بے یقینی انسان کو اتنا ہی بے مہر، سرد، سپاٹ اور بے اعتباری بنا دیتی ہے جتنے کہ تم اس وقت میرے ساتھ ملنے اور چلنے میں ہو۔ خیر کوئی بات نہیں دھیرے دھیرے اعتبار بھی آجائے گا اور یقین بھی۔ اعتبار، ایمان تھوڑی ہے جو ایک دم سے لے آؤ گے۔"

"پر ابراہیم بابو! ایمان بھی تو اعتبار کرنے پہ لایا جاتا ہے ناں جس پہ آپ کو اعتبار ہی نہ ہو آپ اس پہ ایمان کیسے لاسکتے ہیں؟" شکر لال نے مدلل انداز میں کہا وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ریلوے اسٹیشن سے کافی دور نکل آئے تھے۔

"تمہاری بات میں دم ہے میاں! ذہین ہو، پڑھے لکھے بھی یقیناً ہو گے، کتنا پڑھا ہے؟" ابراہیم نے اس کے جواب سے خوش ہو کر سوال کیا۔

"بی اے کیا ہے جی، یہاں نوکری کی تلاش میں آیا ہوں۔"

"ارے میاں، بی اے کر کے پردیس میں نوکری کی تلاش میں کیوں چلے آئے؟ نوکری تو تمہیں اپنے شہر میں بھی مل جاتی۔"

"ہاں جی، لیکن جب اپنوں کے حساب چکنا کرنے ہوں تو اپنوں سے، اپنے شہر سے، دور جانا ہی پڑتا ہے۔"

"ہوں، دل پہ چوٹ کھا کے آئے ہو۔ خیر دل مضبوط رکھو، اولیاء کی سر زمین پہ آئے ہو تو وہ تمہیں اس چوٹ کے دود سے نجات بھی دلائیں گے اور تمہارے من میں سکھ چین کے پھول بھی کھلائیں گے ان شاء اللہ۔" ابراہیم نے اسے تسلی دی۔

"آپ ریلوے اسٹیشن پہ کسی کو چھوڑنے آئے تھے؟"

"ہاں میاں! اپنے گھر والوں کو چھوڑنے گیا تھا اسٹیشن، وہ چند روز کے لیے مجھ سے ملنے آئے تھے۔ اصل میں وہ یہ دیکھنے آئے تھے کہ میں واقعی پردیس میں نوکری کر رہا ہوں یا کسی چھوکری (لڑکی) کے ساتھ گلچھڑے اڑا رہا ہوں۔۔۔ ہاہا۔" ابراہیم

اپنی بات مکمل کر کے خود ہی ہنسنے لگا۔ شکرلال بھی مسکرا دیا۔ اس کا خوف اور اجنبیت کا احساس اب کافی حد تک کم ہو گیا تھا۔

"آپ کے گھر والوں کو آپ پر اعتبار نہیں ہے کیا؟"

"اللہ" کے سوا ہر رشتہ آپ پر شک کر سکتا ہے خواہ وہ کتنا ہی قریبی رشتہ ہو، کتنی ہی محبت بھرا رشتہ ہو، کبھی نہ کبھی آپ پر شک ضرور کرتا ہے۔ پھر ہم انسان اپنے ان رشتوں اور رشتے داروں کو یقین دلانے کے لیے طرح طرح کے حیلے، بہانے کرتے ہیں، وضاحتیں کرتے ہیں، صفائیاں پیش کرتے ہیں اپنی ذات کا اعتبار بحال کرنے کے لیے۔۔۔ اور جب ان کو یقین آجاتا ہے تب تک ہمارے دل میں ایک پھانس سی رہ جاتی ہے۔۔۔ جو موقع بے موقع چبھتی رہتی ہے۔ ہمیں ہمارے بے اعتبار ہونے کا احساس دلاتی رہتی ہے مگر۔۔۔" ابراہیم بولتے بولتے تھک گیا، سانس لینے کو رکا اور اپنے کواٹر کے قریب پہنچتے ہی دروازے کا تالا کھولنے لگا۔

"مگر کیا ابراہیم بابو؟" شکرلال کے انداز میں بے کلی تھی اس "مگر" کے بیچ کی سچائی جاننے کی بے تاب تھی۔

"مگر وہ جو میرا "اللہ" ہے نا۔۔۔ وہ مجھ پر پورا یقین رکھتا ہے، میرے جھوٹ، سچ کو جانتا ہے۔ میری نیت کے کھوٹے اور کھرے پن دونوں کو جانتا ہے۔ اس سے میرا

قول و فعل، اصل، نقل کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ اس لیے مجھے اس "اللہ" کے سامنے کوئی صفائی پیش نہیں کرنی پڑتی۔ کیونکہ وہ تو سب جانتا ہے، ذہن دل میں گزرنے والے خیال تک کو جانتا ہے۔ اس لیے میں اللہ کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا۔

ابراہیم نے اپنی بات بہت سنجیدہ اور رسان سے پر لہجے میں مکمل کی اور شکرلال کو گھر میں داخل ہونے کے لیے راستہ دیا۔ شکرلال اندر داخل ہو گیا۔ دل میں عجیب سا احساس لیے۔

"وہ صحن میں غسل خانہ ہے نہا دھو کے تازہ دم ہو جاؤ، ہم تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کرتے ہیں۔"

ابراہیم شکرلال کو غسل خانے کا راستہ بتاتے ہوئے برآمدے سے متصل باورچی خانے میں چلا گیا۔ دو کمروں، ایک غسل خانے، چھوٹے سے باورچی خانے برآمدے اور چھوٹے سے صحن پر مشتمل تھا یہ کوارٹر۔ ابراہیم تین ماہ سے یہاں مقیم تھا۔ بیوی بچے لاہور میں مقیم تھے۔ بچوں کا اسکول وہیں تھا لہذا انہیں اپنی نوکری کے ساتھ ساتھ لیے پھرنا پسند نہیں تھا ان کے خیال میں اس طرح بچوں کی پڑھائی متاثر ہوگی ہر جگہ نئے اسکول، نئے اساتذہ، نئے ہم جماعت، بچوں کو ایڈجسٹ ہونے میں مشکل

بھی ہوگی اور وقت بھی کافی لگ جائے گا۔ اور ان کا یہ خیال درست بھی تھا جو ابراہیم کی بیوی اور ماں باپ کو بھی درست معلوم ہوا تھا۔ ابراہیم انتالیس برس کے تھے۔ لمبے چوڑے قد کے مالک، گورا چٹا رنگ تھا چہرے پر ہلکی سی داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ مزاج دھیما اور مذہبی تھا۔ پانچ وقت کے نمازی تھے۔ ملنسار اور انسان دوست تھے اسی لیے محکمے والے اور اسٹاف کے لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔

"لو میاں شکرلال کھانا تیار ہے تم پیٹ پوجا کرو، ہم اپنے اللہ کی پوجا کو چلے۔ ظہر کا وقت ہو گیا ہے۔" ابراہیم نے کمرے میں رکھے میز پر کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے کہا۔ شکرلال نہا کر تیار ہو گیا تھا۔ جھجکتا ہوا کرسی کسکا کر بیٹھ گیا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ کمرے میں دو پلنگ بچھے تھے جن پر دری اور چادر بچھائی گئی تھی، تکیے سرہانے رکھے ہوئے تھے اور پائنٹی پر کھیس تہہ کیا ہوا رکھا تھا، شیشم کی لکڑی سے بنی دو کرسیاں، ایک اسٹول اور ایک درمیانی میز تھی۔ جس پر کھانا رکھا تھا۔ روشنی کے لیے ایک سفید بلب جسے آج کل انرجی سیور کہا جاتا ہے وہ لگا تھا۔ پنکھا چھت پر لٹکے لٹکے عمر کی جانے کتنی بہاریں دیکھ چکا تھا۔ ایک کارنس تھی جس پر پرانے اخبار بچھا کر اس پر کچھ کتابیں، ایل لیپ، ایک گل دان اور ایک الارم کلاک سجائی گئی تھی۔ کمرے کی دیواروں پر جا بجا سیلن تھی۔ سفیدی تازہ کرائی گئی

تھی مگر سیلن (سیم) نے سفیدی کا ناس مار دیا تھا کمرے کا فرش اینٹوں سے بنا تھا۔ اس پر کوئی ریت سیمنٹ کا پلستر نہیں کرایا گیا تھا۔ ایک روشندان تھا جو کمرے میں عین مشرق سے نکلتے ہوئے سورج کے منہ پر کھلتا تھا جس سے اچھی خاصی روشنی کمرے میں آرہی تھی۔ لکڑی کا دروازہ تھا جس پر ہرے رنگ کا دو نمبر پینٹ کروا کے دروازے کی عمر رسیدگی اور خستگی چھپانے کی کوشش کی گئی تھی۔ دروازہ پر کریم کلر کا چھوٹے چھوٹے سیاہ پھولوں والا پردہ لٹک رہا تھا۔ پردے کی آن بان بتا رہی تھی کہ وہ دوچار دن پہلے ہی اس دروازے کی زینت بنا ہے۔ نیا پردہ ابراہیم کی بیوی جو ملنے آئی تھی وہی سی کر ٹانگ گئی تھی۔ شکرلال کمرے کا جائزہ لینے میں محو تھا۔ ابراہیم وضو کر کے آگیا۔

"شکرلال، کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے میاں۔ کھالو اور پھر آرام کر لو کچھ دیر۔" ابراہیم نے شکرلال کو کمرے کے اسباب پر غور کرتے دیکھا تو کہا وہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"جی شکریہ، ابراہیم بابو! آپ بھی میرے ساتھ بھوجن کریں ناں۔"

"نہیں میاں، بھوجن (کھانا) تو تم کو اکیلے ہی کرنا ہوگا، ہاں قدرت نے چاہا تو ہم کھانا اکٹھے ضرور کھائیں گے۔" ابراہیم کی معنی خیز بات شکرلال کو کچھ دیر سے ہی سہی پر سمجھ آگئی تھی۔

"اللہ اکبر، اللہ اکبر۔" اذان کی آواز پر ابراہیم نے اپنی ٹوپی کارنس پر سے اٹھائی، سر پہ جمائی اور شکرلال کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"اللہ کی پکار ہے، وہ بلا رہا ہے، مسجد جا رہا ہوں اس سے باتیں کرنے، اپنے دل کی کہنے، اپنے دکھ سکھ اس سے کہنے اور اس کا شکر بجالانے کے لیے، وہ میری زندگی میں ہے مجھے سنبھالنے کے لئے۔" ابراہیم نے نہایت سنجیدہ، معنی خیز مگر نرم لہجے میں کہا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

شکرلال کچھ دیر حیرت زدہ سا ابراہیم کی باتوں پر غور کرتا رہا پھر کھانے کی خوشبو نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ ٹرے میں روٹیاں تھیں دسترخوان میں لپٹی ہوئی، ایک پلیٹ میں ماش کی بھنی دال اور ایک پلیٹ میں مرغی کا سالن تھا اور کٹوری میں دہی بھی تھا۔ میز پر پانی کا جگ اور گلاس بھی موجود تھا۔ شکرلال کو بہت زوروں کی بھوک لگی تھی۔ وہ کھانا شروع ہوا تو سب صفایا کر دیا اور برتن میز پر چھوڑ کر باہر صحن میں لگے واش بیسن میں ہاتھ دھوئے، کلی کی اور کمرے میں آکر پلنگ پر

لیٹ گیا۔ سفر کی تھکن تھی، سوچوں کا غبار تھا، نیند کو فوراً اسے قابو کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ چند منٹ کے بعد گہری نیند میں چلا گیا۔ اور آنکھ کھلی تب، جب قریبی مسجد میں موذن عصر کی نماز کے لیے اذان دے رہا تھا۔

"اللہ اکبر، اللہ اکبر۔" کی آواز نے اسے پوری طرح بیدار کر دیا تھا۔ وہ خاموشی سے لیٹا رہا اور گم صم سا اذان سنتا رہا۔ ابراہیم نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بلب جلا یا تھا، تو اسے دیکھ کر شکر لال ایک دم سے نجل سا ہو کر اٹھ بیٹھا۔

"اٹھ گئے شکر لال۔" ابراہیم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"جی۔" شکر لال نے خجالت سے نظریں جھکا کر کہا وہ کافی دیر سویا تھا اور اب خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

"ایک بات پوچھوں ابراہیم بابو؟" شکر لال چائے کا کپ ابراہیم کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بولا۔

"پوچھو، شکر لال۔"

"آپ مجھ انجان، اجنبی اور غیر مذہب کے آدمی کو اپنے گھر میں اکیلا چھوڑ کر کیوں چلے گئے، آپ نے یہ نہیں سوچا کہ میں آپ کے گھر میں چوری کر کے بھاگ سکتا

ہوں؟" شکر لال کے سوال پر ابراہیم دھیرے سے ہنسا اس کی طرف دیکھا، چائے کا گھونٹ بھرا اور کہنے لگا۔

"جو شخص خود اپنے گھر سے حالات سے بھاگ کر آیا ہو وہ بھلا میرے گھر میں چوری کر کے کیوں بھاگے گا؟ اور رہی بات یہ کہ میں تمہیں اپنے گھر میں اکیلا کیوں چھوڑ کر چلا گیا تو ایسا نہیں تھا، میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ گیا تھا، اپنے 'اللہ' کے بھروسے پہ چھوڑ گیا تھا۔ وہ تھا نا یہاں میرے گھر کی رکھوالی کے لیے اور ویسے بھی میں فقیر آدمی ہوں میرے گھر سے کسی کو کیا ملے گا۔ سوائے نصیحت اور دعا کے۔"

"آپ بہت بھلے آدمی ہیں، ورنہ آج کل کے دور میں کون کسی اجنبی کو اپنے گھر مہمان بناتا ہے اور اس کی سیوا کرتا ہے۔" شکر لال نے چائے کا لطف لیتے ہوئے کہا تو وہ مسکرانے لگا۔

"اچھا یہ بتاؤ کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ میرا مطلب ہے کوئی کام وام جانتے ہو کیا؟"

"کام تو کوئی نہیں کیا جی۔"

"جی راندہ ور گاہ ہو گئے۔" ابراہیم بولا ہونٹوں پہ تبسم تھا۔

"مطلب؟" شکر لال نے نا سمجھی کے عالم میں اسے دیکھا۔

"مطلب چھوڑو، یہ بتاؤ کیسا کام چاہتے ہو؟"

"ایسا کام جو مجھے راتوں رات امیر بنا دے، مجھے ڈھیر سارا پیسہ دلادے۔" شکرلال نے عزم سے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"گویا ہتھیلی پر سروسوں جمانا چاہتے ہو۔ تم نے وہ محاورہ تو پڑھا ہو گا کہ A room

-is not built in a day

"جی۔" شکرلال نجل سا ہو گیا۔

"تو میاں راتوں رات تو صرف خواب دیکھے جاسکتے ہیں، پیسہ کمانے کے لیے پسینہ بہانا پڑتا ہے۔ امیر ہونے سے پہلے فقیر بننا پڑتا ہے۔ راتوں رات قسمت بدلنے کے لیے۔۔۔ راتوں کو اٹھنا پڑتا ہے، سجدے میں جھکنا پڑتا ہے، گڑگڑانا پڑتا ہے، اشک بہانا پڑتا ہے۔" ابراہیم نے ناصحانہ انداز میں کہا تو وہ چڑ کر بولا۔

"آپ تو نصیحت اور تبلیغ کرنے لگے ابراہیم بابو! میں ایک ہندو ہوں بھگوان کو پوجتا ہوں۔"

"تو کیا ہندو کو تبلیغ اور نصیحت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیا تمہارے ماں باپ نے بڑے بھائی بہن نے تمہیں کبھی نصیحت نہیں کی، سمجھایا نہیں کچھ؟" ابراہیم نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" ابراہیم چائے کے خالی کپ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ شکرلال کو اپنی بات پر افسوس ہونے لگا کہ اپنے محسن کی نصیحت کو صبر سے نہیں سنا لٹا اسے سنا دیا تھا۔ اور پھر ابراہیم کی مدد سے شکرلال کو صبح و شام اخبار گھروں میں دینے یعنی پہنچانے کی ہاکر کی نوکری مل گئی اور ان کے ڈاک گھر کے ساتھی عارف کے بیٹے کو شام میں ٹیوشن پڑھانے کی نوکری بھی مل گئی ماہانہ دو ہزار روپے پہ۔ اسے عارف صاحب کے بیٹے کو ریاضی اور انگلش کے مضامین پڑھانے تھے۔ زمانہ طالب علمی میں یہی دو مضمون اس کی ناپسندیدگی میں اول درجے پر تھے۔ مجبوری میں وہ ان مضامین پر محنت کیا کرتا تھا اور اب بھی مفلسی میں پڑھانے کی مزدوری کرنے پر مجبور تھا۔ وہ جس چیز سے بھاگتا تھا، وہ چیز ہمیشہ ہمیشہ اس کا پیچھا کرتی ہوئی اس تک پہنچ جاتی تھی۔ جو کام وہ نہیں کرنا چاہتا تھا حالات اس کو وہی کام کرنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ جس چیز کو وہ بہت ایزی لیتا تھا، وہ ہمیشہ اسے مشکل میں ڈال دیتی تھی اور جس بھی صورت حال کو واقعے کو وہ نظر انداز کرنا چاہتا تھا، وہی اس کی راہ میں آڑے آتا تھا۔ شکرلال جب بھی اپنے روز و شب کا اپنے حالات و خیالات کا جائزہ لینے بیٹھتا یہی بات سامنے آتی کہ وہ اپنی چاہ کے مطابق، اپنی مرضی اور اپنی منشاء سے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ ہونا وہی ہے جو تقدیر

چاہتی ہے، کبھی کبھی تو اسے ہر سوچ، ہر کام اور ہر خیال بیکار لگنے لگتا کہ جب اس کی من مرضی سے کچھ کچھ ہونا ہی نہیں ہے تو وہ اتنی تگ و دو، اتنی محنت و مشقت آخر کیوں کرے؟

پھر کہیں پڑھے ہوئے کتابی جملے یاد آنے لگتے کہ حرکت میں ہی برکت ہے۔ زندگی تغیر کا نام ہے، زندگی متحرک رہنے کا نام ہے، چلتی کا نام گاڑی ہے، تو چلتے رہنے کا نام ہی زندگی بھی ہے۔ سو وہ پھر سے کمر کس لیتا، اور اپنے کام پہ لگ جاتا۔ ابراہیم کی کوشش اور سفارش سے اسے ڈاک گھر میں کلرک کی نوکری بھی مل گئی تھی۔ وہ بہت خوش تھا کہ اب دن رات، صبح شام، محنت مزدوری کر کے ڈھیر سارا پیسہ کمائے گا اور ماں باپ کا قرض چکائے گا۔ وہ ٹیوشن کے دو ہزار روپے اپنے مہینے بھر کے اخراجات کے لیے رکھ لیتا اور ہاکرو ڈاک گھر کی نوکری سے جو آمدن ہوتی وہ باپ کو منی آڈر کر کے بھیج دیتا۔ ہر ماہ ایک معقول رقم اس کے باپ کو مدد لال کو مل رہی تھی، وہ بہت خوش تھا، باقی سب حیران تھے کہ شکرلال کو اتنی جلدی اتنی اچھی نوکری کیسے مل گئی کہ وہ ہر مہینے بارہ ہزار کا منی آڈر باپ کو بھیج رہا ہے، خیر اب ان کی زبانیں بند ہو گئی تھیں۔ شکرلال کبھی کبھار فون کر کے ماں سے بات کر لیتا تھا، اس کے علاوہ کسی سے بھی اس کا کوئی رابطہ نہیں تھا نہ ہی گھر کے

کسی فرد نے اس سے بات کرنے یا رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس بات سے شکرلال کو بہت دکھ ہوتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں ابراہیم کا بہت احسان مند تھا مگر وہ بے کل، بے چین بھی رہتا تھا کیونکہ وہ تو گھر سے بڑا آدمی بننے کے لیے نکلا تھا، لیکن ابھی تک چھوٹی موٹی نوکریاں کر رہا تھا۔ وہ ایک مشیت باپ کا قرض اتار دینا چاہتا تھا اور اس کے بعد اپنے گھر کا بندوبست کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ بھی گھر بسا کے ایک کامیاب اور خوشیوں بھری زندگی گزار سکے اور اپنے بھائیوں، بہنوں اور ماں باپ کو دکھا سکے کہ وہ نکٹھو بیکار اور ہڈ حرام نہیں ہے وہ بہت محنتی اور کارآمد انسان ہے۔ ایسا تبھی ممکن تھا جب وہ کوئی بڑا کام کرتا، وہ دوسرے شہر کچھ بننے کے لیے نکلا تھا، نوکری تو مل گئی مگر عہدہ بڑا نہ ملا۔ وہ بڑا آدمی بن کے کچھ بن کے دکھانے کے لیے آیا تھا۔ اور قدرت شاید اسے مسلمان بنانے کے درپے تھی اور یہی بات یہی خیال شکرلال کی نیندیں اڑا گیا تھا۔ اسے سرتا پاپسینے میں نہلا گیا تھا۔ اس کے عقیدے اور دھرم کی بنیادیں ہلا گیا تھا۔ وہ ایک کٹر ہندو خاندان کا فرد تھا، رنگ، رنگ کے بتوں کو پوجتا تھا، اور اب سپنے میں مسجد دیکھتا۔ اذاد سنتا اور مسجد میں نمازیوں کے لیے مصلے بچھاتا تو سوچتا کہ اگر اس کے گھر والوں کو اس کی ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی تو وہ اسے دھنک کے رکھ دیں گے۔ یہی نہیں وہ اسے اپنے حق

سے، خاندان سے بے دخل اور عاق کر دیں گے۔ وہ سنے میں مسلمان کی مسجد میں جھاڑو لگا رہا تھا اس نے اتنی جرات کی بھی تو کیسے؟

ابراہیم کے منتقلی (ٹرانسفر) کے آڈر آگئے تھے، تقریباً ڈیڑھ سال اس شہر میں اپنی ڈیوٹی ادا کرتے وہ یہاں کے لوگوں سے، آب و ہوا سے مانوس ہو گیا تھا، اب بلاوے کی چھٹی آئی تھی تو وہ سب یار دوستوں سے الوداعی ملاقات کر رہا تھا۔ ملتان شہر اولیاء کی سرزمین پہ عقیدت گزاروں کے ٹھکانے اولیاء اللہ کے مزارات تھے۔ ابراہیم بھی مزارات پہ حاضری دینے کا سوچ رہا تھا، جب آیا تھا تو ایک بار حاضری دی تھی اور اب واپسی لکھی گئی تھی تو جاتے جاتے اولیاء کو سلام کرنے کے لیے جانا چاہتا تھا۔ نہا کر سفید شلوار قمیص، سیاہ واسکٹ زیب تن کی، پشاوری چپل پہنے، اپنی جالی دار سفید ٹوپی سر پہ جماتے ہوئے عطر لگا کر اپنی تیاری کو آخری ٹچ دیا تھا۔

اچانک نگاہ شکرلال پر پڑی جو اپنے بھگوان کی مورتی کو گم صم بیٹھا تکتے جا رہا تھا۔ آج پھر اس نے وہی خواب دیکھا تھا کہ وہ ایک مسجد میں جھاڑو پھیر رہا ہے، مصلے بچھا رہا ہے اور تو اذان بھی دے رہا ہے۔ بس تب جو شکرلال کی نیند اڑی تھی تو واپسی کا راستہ بھول گئی تھی۔ وہ ایک ٹک بھگوان کو تکتے جا رہا تھا۔ ابراہیم کو اس کی

حالت پر ترس آنے لگا۔ وہ اس کے قریب چلا آیا اور اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا وہ بری طرح چونکا۔ سر اٹھا کے دیکھا ابراہیم مسکرا رہا تھا۔

"آؤ شکرلال، ہمارے ساتھ چلو۔"

"کہاں؟"

"ایک ایسی جگہ جہاں جا کے تم سکون محسوس کرو گے، تمہارے من کو شانتی ملے گی۔" ابراہیم نے جواب دیا۔

"کیا سچ میں؟" شکرلال خوش ہو کر بولا۔

"ہاں اٹھو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"جی ابھی آیا۔" شکرلال تیزی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ وہ شاید اپنے سنے (خواب) کے خیال سے نجات پانا چاہتا تھا، دھیان بٹانا چاہتا تھا جبھی فوراً ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ وہ دونوں شاہ رکن و دین عالم کے مزار پر پہنچے تو شکرلال کے قدم مزار میں داخل ہونے سے انکاری ہو گئے۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ابراہیم نے پیچھے مڑ کر اسے دیکھا۔

"تم رک کیوں گئے شکرلال؟"

"کیونکہ، ہم شکرلال ہیں۔" شکرلال نے معنی خیز لہجے اور جملے میں ابراہیم کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

"ہاں مگر اللہ کے ولی تو اللہ کی ساری مخلوق کے لیے یکساں فیض کا ذریعہ ہیں۔" ابراہیم نے مسکراتے ہوئے کہا اسی وقت زائرین کا دھکا لگنے پر شکرلال مزار کے احاطے میں داخل ہو گیا۔ ہجوم اتنا تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی شکرلال خود کو بچانے کے لئے ادھر ادھر بدحواسی سے دیکھ رہا تھا وہاں سے فرار کا راستہ تلاش کر رہا تھا۔

"دیکھا شکر میاں! کیسے دھکے سے اندر بلالیا انہوں نے تمہیں۔ یہاں سب کو آزادی ہے آنے کی بس انسان کا دھرم لے کر آؤ، اور من چاہی مراد پا جاؤ۔" ابراہیم نے زائرین کے ہجوم میں اس کے قریب ہو کر کہا لیکن یہاں کے مناظر دیکھ کر تو وہ خوشی سے آنکھیں پھیلا کر بولا۔

"ہیں ابراہیم بابو؟"

"ہاں۔" ابراہیم مسکرا دیا اور آگے بڑھ کر ساتھ لائی ہوئی گلاب کے پھولوں کی پیتیاں مزار میں موجود قبر مبارک پر پھیلانے لگا۔ مزار کے ارد گرد اور مزار کے اندر ایک عجیب ہی سماں تھا۔ خلقت امنڈی ہوئی تھی۔ بوڑھے، بچے مرد و زن سبھی وہاں

اپنی پریشانیوں کی پوٹلیاں اٹھائے موجود تھے۔ اس کے من میں بس ایک ہی سوال سر اٹھا رہا تھا اور وہ یہ کہ!

"یہاں تو سب کے سب اپنی ہی کسی غرض، ضرورت، کام اور مطلب سے حاضری دینے آئے ہیں۔ اپنے رب کے لئے بھگوان کے واسطے کون آیا ہے؟" شکرلال کا سوال اور دل کا حال عجیب تھا وہ بس ہاتھ جوڑے کھڑا تھا، آنکھیں بند کرتا تو من کہتا اللہ اکبر، آنکھیں کھولتا تو خود کو اس ماحول میں اجنبی محسوس کرنے لگتا۔ مزار کے احاطے میں قوالی ہو رہی تھی۔ وہ انہیں دیکھتا باہر آ گیا۔ ابراہیم ابھی اندر ہی تھا۔ شکرلال مزار کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اپنی کالی چادر میں خود کو لپیٹ کے گھٹنوں پہ بازو اور بازوؤں پہ تھوڑی ٹکا کے ارد گرد سے بے نیاز خالی الذہن بیٹھا ایک دائرے میں گھور رہا تھا۔ جب ایک بختہ اور تیز آواز نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔ تیس، بتیس سال کا آدمی تھا وہ جو وارث شاہ کا کلام سنا رہا تھا۔ شکرلال نے اپنی سماعتوں کو اس کے دہن سے، اس کی زبان سے نکلنے والے لفظوں کی طرف لگا لیا۔

"لکھاں وچ و چھوڑے رہ گئے

اتھرو رو رو تھوڑے رہ گئے

اک نہ منی اونے میری
ہتھ وہ میرے جوڑے رہ گئے
جاندی داری چھڈ گیا مینوں
بچے وال نچوڑے رہ گئے
عید دی فجر مڑنیں آیا
موتیاں دے پھل توڑے رہ گئے
ہن تے آکے مل جاسجنا!
زندگی دے دن تھوڑے رہ گئے!!

شکرلال پر اس کلام نے بہت عجیب تاثر چھوڑا تھا۔ وہ بری طرح کانپنے لگا۔ اور ایک دم سے کھڑا ہوا اندھا دھند بھاگتا چلا گیا۔ جہوم کو چیرتا ہوا۔ ابراہیم کی آواز کو ان سنا کرتا ہوا۔ گرتا پڑتا، بدحواسی کے عالم میں سب کچھ پیچھے چھوڑتا وہ ایسا بھاگا کے گھر پہنچ کر ہی دم لیا۔ اس نے کمرے میں آتے ہی کمرے کا دروازہ بھی بند کر لیا، جیسے کوئی اس کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں آہی جائے گا۔ وہ پھولی ہوئی سانسوں اور بے تحاشا دھڑکتے دل کو سنبھالنے کی کوشش کرتا پلنگ پر چادر میں دبک کے بیٹھ گیا جون کی گرمی میں بھی اس کا بدن اوائل جنوری کی شدید سردی کی طرح کانپ

رہا تھا۔ اور چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔ آنکھیں انجانے خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔ اور بند دروازے پر جمی ہوئی تھیں، جیسے دروازے کے پیچھے کوئی بہت طاقتور چیز ہے کوئی ایسی قوت جو اسے اپنے قبضے میں کر لے گی اور وہ اس ان دیکھی قوت سے بچنے کے لیے یوں چھپا بیٹھا تھا جس سے بچ کر وہ مزار سے بھاگ کر آیا تھا۔ ابراہیم اسے یوں بدحواسی کے عالم میں مزار شریف سے بھاگتا دیکھ کر بہت متفکر ہوا اور رکشہ میں بیٹھ کر فوراً گھر پہنچا تھا اور آگے سے یہ نئی افتاد کہ شکرلال نے دروازہ اندر سے بند کر رکھا تھا۔ شکرلال خوف اور بدحواسی میں بیرونی دروازے کی کنڈی لگانا بھول گیا تھا۔ ابراہیم نے گھر میں داخل ہو کر دروازے کی کنڈی لگائی اور اپنے اور شکرلال کے مشترکہ کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ شکرلال کو کمرے میں اکیلے رہنے سے ڈر لگتا تھا اس لیے وہ ابراہیم کے کمرے میں ہی سوتا تھا۔ دو مختلف انسان، دو مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے دو انسان، ایک ہی کمرے میں ایک ہی چھت تلے، رہ رہے تھے، سوا سال سے، کھانا الگ الگ برتنوں میں کھاتے تھے، پوجا پاٹ اور عبادت کے ڈھنگ الگ تھے۔ خون، خاندان جدا تھے۔ کوئی بھی قدر مشترک نہ تھی ان دونوں میں سوائے اس کے کہ وہ دونوں انسان تھے۔ ایک ہی رب کے پیدا کردہ انسان۔

"ابراہیم احمد، انسان دوستی نبھاتے نبھاتے، اسلام سے بے وفائی نہ کر جانا۔۔۔ ایسا کیا تو بخشش نہیں ہوگی تمہاری۔" ایک دن مسجد کے مولوی صاحب نے بھی ابراہیم کو نماز کے بعد روک کر کہا اور ابراہیم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"مولوی صاحب ایک سچا مسلمان کبھی بے ایمان نہیں ہو سکتا۔ جس اللہ نے مجھے انسانیت کا سبق سکھایا ہے، وہ مجھے اسلام کا سبق اور اسلام کی تعلیمات کبھی بھولنے نہیں دے گا ان شاء اللہ۔" اور مولوی صاحب اس کے اس جواب سے لاجواب ہو کر رہ گئے تھے۔

ابراہیم احمد، مسلسل دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا مگر شکرلال خوف اور پسینے سے نہا رہا تھا۔

ڈر سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"شکرلال! دروازہ کھولو میاں! ہم ہیں ابراہیم احمد۔" ابراہیم نے دوسری بار اپنی بات دہرائی تو شکرلال نے اٹھ کر ڈرتے ڈرتے دروازے کی کنڈی کھول دی۔ دروازہ کھلتے ہی ابراہیم اس کی حالت دیکھ کر اپنی حیرت کو سنبھالتے ہوئے نارمل لہجے میں بولا۔

"کمال کے آدمی ہو تم شکرلال! مزار سے ایسے نکل کر بھاگے جیسے گولی پستول سے نکلتی ہے۔ ہم آوازیں دیتے رہ گئے مگر تم تو زن کر کے نکل آئے اور یہاں گھر پہ

آکے چھپ کے بیٹھ گئے۔ اور تو اور ہم پہ ہمارے ہی گھر کا دروازہ بند کر دیا۔ کمال کرتے ہو یار۔"

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ شما (معاف) کر دیں جی، وہ۔۔۔"

شکرلال شرمندگی اور خوف سے اٹک اٹک کر بولا۔

"کیا وہ۔۔۔ وہ؟" ابراہیم نے اسے میز پر رکھے واٹر کولر میں سے گلاس میں پانی بھر کر دیا۔ جو اس نے ایک ہی سانس میں پی لیا۔

"تم تو ایسے بھاگے جیسے چور بھاگتا ہے اور پولیس اس کے پیچھے لگی ہوتی ہے۔" ابراہیم نے تالیے سے اس کا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا اور اسے پلنگ پہ بٹھا دیا۔

پنکھا چلایا اور اس کے سامنے کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا۔

"ہم نے کوئی چوری نہیں کی ابراہیم بابو! لیکن پولیس۔۔۔ پھر بھی ہمارے (ہمارے) پیچھے لگی ہے۔ وہاں مزار پہ ہم کو لگا کہ۔۔۔ ہر چیز ہمارے پیچھے لگی ہے۔ ہمیں اپنی اور کھینچتی ہے۔ اور کمال کے تو آپ ہیں ابراہیم بابو! ہم تو پہلے ہی سنے کی وجہ سے پریشان ہیں اور آپ ہمیں شانتی کا لالچ دے کر وہاں لے گئے، جہاں سے ہم اس حال میں لوٹے ہیں۔ وہ آپ کے جانے کی جگہ ہے، ہمارے جانے کی جگہ وہ نہیں ہے۔۔۔ ہمارے واسطے مندر کافی ہے۔"

"اور ہمارے واسطے ہمارا اللہ کافی ہے۔" ابراہیم نے مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"حسبنا اللہ و نعم الوکیل"

"میرے لیے میرا اللہ کافی ہے اور وہ بہترین وکیل ہے۔" شکرلال کچھ نہیں بولا بس بھگوان کی مورتی کو تکتے لگا۔

"تم آرام سے بیٹھو، ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتا ہوں۔ تمہیں تو سردی لگ رہی ہے کچھ دیر کو پنکھا بھی بند کر دیتا ہوں۔" ابراہیم نے اٹھ کر پنکھا بند کر دیا اور ایک نظر اس کے کانپتے، ڈرے اور سہمے وجود پر ڈال کر چائے بنانے چلا گیا۔ شکرلال کے کانوں میں ابھی تک وارث شاہ کے کلام کے بول گونج رہے تھے۔

"شکرلال! اب تمہیں اکیلے یہاں رہنا پڑے گا، اس لیے اپنے اندر کے ڈر، خوف کو اب چھٹی دے دو۔" ابراہیم نے اپنے کپڑے سوٹ کیس میں ترتیب سے رکھتے ہوئے اسے مخاطب کر کے کہا وہ جو اپنی ہی کسی سوچ میں گم تھا۔ اس کی بات سن کر چونک گیا۔

"مطلب؟"

"ہمارا ٹرانسفر ہو گیا ہے۔" ابراہیم نے بتایا۔

"تو ابراہیم بابو! آپ جا رہے ہیں؟"

"ہاں شکرلال، اب یہاں سے کوچ کا وقت آگیا ہے۔ اس شہر میں ہمارا دانہ پانی بس اتنا ہی لکھا تھا۔" ابراہیم نے اپنی ضروری چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا۔
"مگر میں آپ کے بنا اس شہر میں کیسے رہوں گا؟" شکرلال کی پریشانی اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔

"ویسے ہی جیسے تم اپنے گھر والوں کے بنا ایک سال اور تین مہینے سے رہ رہے ہو۔ اور جب تم ان کے بنا رہ سکتے ہو تو میرے بنا بھی رہ سکتے ہو۔"

"آپ طنز کر رہے ہیں؟" شکرلال نے منہ بسورا۔

"نہیں میرے بھائی میں طنز نہیں کر رہا۔ میں تو تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ انسان کو دنیا میں جو رشتے سب سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں وہ ہیں اس کے ماں باپ، بہن بھائی، بیوی بچے، تو اگر ہم ان رشتوں سے دور رہ کر اپنی زندگی کو کسی راستے پر لے کر چل پڑتے ہیں ان کے بغیر اپنے امور زندگی انجام دے سکتے ہیں تو ان کے بغیر رہ بھی سکتے ہیں۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ جو اپنے ہوتے ہیں، جو پیارے ہوتے ہیں ان کی کمی محسوس ہوتی ہے، ان کی یاد بھی آتی ہے اور کبھی کبھی

اور کوئی اپنے بھگوان کو بھی بھولتا ہے کبھی۔ "شکرلال نے خلوص دل سے ممنونیت کے احساس سے پر لہجے میں نرمی سے کہا تو ابراہیم دھیرے سے ہنستے ہوئے گویا ہوئے۔

"ارے میاں! ہم بھگوان نہیں ہیں، ہمیں تم انسان ہی رہنے دو۔ انسان ہونے کا حق ہی ادا ہو جائے ہم سے تو غنیمت ہے، میں نے تو صرف انسانیت کا دھرم نبھایا ہے۔ اس لیے کہ میرا مذہب مجھے یہی سکھاتا ہے کہ ضرورت مندوں کی مدد کرو۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ کسی کو حقیر نہ سمجھو۔" شکرلال نے تشکر اور عقیدت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"اور میرا ماننا یہ ہے کہ اللہ صرف ایک ہے، اللہ کو مانو اور اللہ کی مانو۔ بس یہی ایک سچے مسلمان کا ایمان اور عقیدہ ہے۔ میری مانو تو تم بھی اس کی (اللہ) بات ضرور سننا۔ وہ (اللہ) دن میں کئی بار بلاتا ہے، مگر تم اس کی سنتے نہیں ہو، جبھی تو وہ تمہارے سپنے میں چلا آیا تمہیں دعوت دینے۔" ابراہیم اپنا سامان پیک کر لینے کے بعد گہرا سانس لے کر پلنگ پر بیٹھ گیا اور اسے دیکھتے ہوئے بولا، لبوں پر تبسم معنی خیز تھا۔ شکرلال پھر سے سٹپٹا گیا اور کانپتی آواز میں بولا۔

"مگر ابراہیم بابو! وہ تو سب مسلمانوں کو بلاتا ہے اور مسلمان بھی تو سب کے سب نہیں جاتے نا اس کے بلانے پہ۔"

"ہاں ٹھیک کہتے ہو تم شکرلال، بات تمہاری بھی درست ہے، مگر۔۔۔ اچھا چلو تمہیں ایک مثال سے سمجھاتے ہیں۔ ہمارے، تمہارے گھر کی تقریب میں کتنے سارے مہمان بلائے جاتے ہیں، لیکن آتے وہی ہیں جن کا ہم سے خاص تعلق ہوتا ہے۔ اذان بھی دعوت عام ہے، اللہ کے گھر کی طرف سے بلائے سب جاتے ہیں۔۔۔۔۔ آتا وہی ہے جو خاص ہوتا ہے۔ سوچو شکرلال تم خاص ہو یا عام؟"

"مم۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ میں ایک ہندو ہوں ابراہیم بابو! آپ تو اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں میرے سامنے، میں اپنے دھرم کو نہیں چھوڑنے والا۔۔۔۔۔ آپ مانے جاؤ اللہ کی۔۔۔۔۔ میں نے کبھی روکا ہے آپ کو۔۔۔۔۔ میرا بھگوان ہے نا، مجھے کیا ضرورت ہے ادھر ادھر دیکھنے کی؟" شکرلال نے قدرے ناراض اور تیز لہجے میں کانپتی آواز میں کہا۔

"معاف کرنا شکرلال! میں اپنی رو میں بہتا چلا گیا۔ بس تم پہ اس کی نظر کرم ہوتی دیکھ کر آپ ہی آپ اس کی باتیں کرنے کو دل چاہنے لگا۔" ابراہیم نے معذرت

خواہانہ لہجے میں کہا تو شکرلال نے کوئی جواب نہیں دیا اور ایک دم سے اٹھ کر اپنا سامان سمیٹنے لگا۔ ابراہیم نے حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ارے شکرلال! تم کیوں اپنا سامان سمیٹنے لگے؟ ہمارا تو بلاوا آیا ہے دوسرے شہر میں حاضری دینی ہے سینئر پوسٹ ماسٹر صاحب نے نئے آفس میں رپورٹ کرنی ہے۔ ہمیں تو سرکاری چھٹی کے ذریعے بلاوا بھیجا گیا ہے۔ مگر تم کیوں جارہے ہو؟" "میرا بھی بلاوا آیا ہے مجھے بھی رپورٹ کرنی ہے دوسرے شہر۔" شکرلال نے اپنے کپڑوں کی تہہ لگاتے ہوئے خفا خفا لہجے میں جواب دیا تو ابراہیم ہنسنے لگا۔

"تم جس سے بھاگ کے جارہے ہو نا وہ تمہیں اندھیرے غار سے بھی ڈھونڈ نکالے گا۔ وہ تو ہر پل، ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے، تم پہ نظر رکھے ہوئے ہے، وہ تو تم کو سب سے زیادہ جانتا ہے، تمہارے شہر رک سے بھی زیادہ قریب ہے اس سے فرار ممکن ہی نہیں۔"

"میں نہیں مانتا۔" شکرلال تھکے تھکے انداز میں اپنا کام چھوڑ کر پریشان صورت بنا کے بیٹھ گیا۔ ابراہیم نے دھیرے سے ہنس کر کہا۔

"مان جاؤ گے یہی تو خوبی ہے اس کی کہ وہ بڑے ہی پیار سے، محبت سے اپنا آپ منوالیتا ہے۔"

"یہ تو ہر بھگوان کی خوبی ہوتی ہے۔" شکرلال بولا۔

"کتنے بھگوان ہیں تیرے شکرلال، گنتی یاد ہے کچھ؟"

"مجھے نہیں پتا، آپ تو مجھے ایسے سمجھا رہے ہیں جیسے خود دین، دھرم میں عالم فاضل ہوں۔" شکرلال کی بات سن کر ابراہیم مسکرانے لگا۔ پھر گویا ہوا۔

"میں نہیں جانتا، میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ اور شکرلال! تو بھی تو "ہم" اور "میں" میں ہی الجھا ہوا ہے اب تک، یہ "میں" جو ہے نا، انسان کو کبھی اچھا اور اعلیٰ کردار کا مالک نہیں بننے دیتی۔ انسان ہر معاملے میں اپنی "میں" کو ترجیح دیتا ہے، میں کو مارے کے ہی انسان، انسان کے کام آتا ہے، ایک انسان دوسرے انسان کی بہتری اور فلاح کے لیے سوچتا ہے۔ میں ہوں، بس جو ہوں کی سوچ کبھی درد دل کا مداوا نہیں کر سکتی۔ بابا بلھے شاہ! کیا خوب فرماتے ہیں، کیا عمدہ مشورہ دیتے ہیں انسان کو کہ!

پھلاں دا تو عطر بنا

عطراں دا فیر کڈ دریا

دریا وچ

فیر رنج کے نہا

مچھلیاں وانگوں تاریاں لا

فیر وی تیری بوئیں مکنی

پہلے اپنی

"میں" مکا

یعنی تو پھولوں کا عطر بنا کے اس عطر کا دریا نکال کر اس میں مچھلیوں کی طرح ڈکیاں لگا لگا کے نہا بھی لے نا تب بھی تیری بو ختم نہیں ہوگی۔ پہلے اپنی "میں" کو ختم کر۔۔۔"

"انسان اتنا مہان، اعلیٰ ظرف، کیسے ہو سکتا ہے ابراہیم بابو! یہ سب تو بھگوان کے ظرف ہیں۔ اعلیٰ رتبے تو بھگوان کو اس اوپر والے کو شوبھا ہیں، اسی کو زیب دیتے ہیں۔" شنکر لال نے سنجیدگی سے کہا تو ابراہیم نے استفسار کیا۔

"اور یہ اوپر والا کون ہے شنکر لال؟ تو تو بھگوان کو مانتا، پوجتا ہے نا۔۔۔ تو اوپر والے کا ذکر کیوں کر رہا ہے؟ تیرا بھگوان تو تیرے پاس ہے، تیرے سامنے یہ رکھا ہے کارنس پر، تیرا بھگوان تو زمین پہ ہے تیرے پاس۔ تو تو بھگوان کو اس مورتی کو اپنے سامان میں بھی لئے پھرتا ہے، اپنے ساتھ ساتھ پھر یہ اوپر والا کون ہے؟"

"ہم نہیں جانتے، آپ تو زبان پکڑ لیتے ہیں۔" شنکر لال جھنجلا کر بولا تو وہ ہنسنے لگا اور جب ہنسی رکی تو ابراہیم آنکھیں موند کر کھوئے کھوئے لہجے میں بلھے شاہ کا کلام پڑھنے لگا۔

رب رب کر دے بڑھے ہو گئے

ملا، پنڈت سارے۔۔۔۔

رب دا کھوج کھرا نہ لبا

سجدے کر کر ہارے

رب تے تیرے اندر وسدا

بلھے شاہ! رب اونوں ملدا

جیڑا اپنے نفس نوں مارے!!"

ابراہیم خاموش ہو گیا تھا مگر شنکر لال کے اندر ایک شور بپا ہو گیا تھا۔ مزار، فقیر، اذان کی آواز، بلھے شاہ کا کلام، ابراہیم کا مشفقانہ انداز اور برتاؤ یہ سب اسے بری طرح جھنجوڑ رہے تھے اس کے اندر ایک جنگ چھڑی تھی۔ اللہ یا بھگوان کا ہو جانے کی جنگ۔

کبھی وہ بھگوان کی مورتی کو بے بسی سے تکتے لگتا اور کبھی جائے نماز اور مسجد کے گنبد پر نگاہ جمائے مجسم سوال بن جاتا۔ اذان کی پکار اس کے دل کی دھڑکنیں تیز کر رہی تھی اس کے بدن میں کپکپاہٹ پیدا کر رہی تھی، ابراہیم اپنا سامان باندھ چکا تھا۔ ظہر کی نماز کے لیے مسجد گیا تو پیچھے سے شکرلال اپنا بوریا بستر سمیٹ کر یہ جا وہ جا۔

ابراہیم گھر آیا تو شکرلال کو موجود نہ پا کر حیران رہ گیا۔ اسے اس کے یوں بنا ملے چلے جانے کی توقع نہ تھی۔ ابراہیم کی نظر اپنے سوٹ کیس پر رکھے کاغذ کے ایک پرزے پر پڑی تو اس نے بھنویں سکیڑ کر دیکھا پرزہ اٹھا کر پڑھا اس پر دو سطریں لکھی تھیں نہایت خوشمنا خوشخط لکھائی تھی شکرلال کی اس نے لکھا تھا۔

"ابراہیم بابو !

آپ کا شکریہ ادا کرنے کا منہ نہیں ہے اور الوداع کہہ کے جانے کا یارا نہیں، کہا سنا معاف کر دیجئے گا، جا رہا ہوں۔

منزل سے نا آشنا

شکرلال !

"فی امان اللہ شکرلال ! میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں تمہاری منزل پہ پہنچائے۔" ابراہیم نے شکرلال کا پرچی نما رقعہ پڑھ کر اس کے لیے مسکراتے ہونٹوں اور نم آنکھوں کے ساتھ دعا کی۔ چٹ کو اپنی قمیض کی جیب میں رکھا اپنا سامان اٹھا کر گھر کو الوداعی نظروں سے دیکھتے پر نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے گھر کی دہلیز عبور کر گیا اسے بھی تو نئے آفس میں رپورٹ کرنی تھی۔

یہ رب کی منشا، یہ رب کی مرضی

یہ بھید بھی تو اسی کے ہیں سب

وہ جس پہ چاہے یہ بھید کھولے

وہ جس کو چاہے نہال کر دے

دکھا کے اپنے کرم کا جلوہ

وہ عاصیوں کو مالا مال کر دے

وہ مہربان ہو جائے جس پر

اسے عکس اذان بلال • کر دے

وقت کا پنچھی اپنے پروں میں بارہ مہینے کا سال اڑا کر لے گیا تھا۔ شب و روز کی چکی میں پستے روٹی کمانے کی غرض سے شہر، شہروں سفر کرتے مسافر نہیں جانتے کہ

دوان سفر وہ کیا کھنیں گے، کیا پائیں گے، کس سے ملیں گے؟ اور کس سے بچھڑیں گے؟ کیا سیکھیں گے اور کیا سکھائیں گے؟ کیا وہ واقعی اس سفر کو بامقصد بنا پائیں گے یا ان کا سفر رائیگاں ٹھہرے گا؟ ان ہی سوچوں، سوالوں میں گھرا ابراہیم اس نئے شہر میں آیا تھا مگر اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کے گزرے برس کا ایک بچھڑا آشنا اس کے سامنے آجائے گا۔

گزشتہ برس کی کتاب کا ایک باب کھل کر اس کی آنکھوں کے سامنے سوالیہ نشان بنا کھڑا ہو گا۔ ابراہیم نئے شہر میں، نئے لوگوں سے آشنائی کے لیے مسجد میں نماز فجر کی ادائیگی کے لیے آیا تھا۔ وضو کرتے ہوئے اچانک اس کی نظر دائیں جانب بنے حوض کی طرف اٹھی تو وہ شکرلال کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے وہ حقیقت کہ خواب ہے، وہ پلکیں جھپک کر غور سے دیکھ رہا تھا وہ یقیناً شکرلال ہی تھا جو سفید شلوار قمیض میں ملبوس سر پہ ٹوپی پہنے ننگے پاؤں کھڑا ایک ضعیف آدمی کو وضو کروا رہا تھا۔ یکایک ابراہیم کو شکرلال کا وہ خواب یاد آنے لگا جس میں اس نے دیکھا تھا کہ وہ مسجد میں جھاڑو پھیر رہا ہے، مصلے بچھا رہا ہے۔

"تو کیا شکرلال کا وہ خواب، سچا ہو گیا؟" ابراہیم نے خود کلامی کی، اس کی آنکھوں کے مسلسل ارتکاز اور تپش کو محسوس کرتے ہوئے اس نے ابراہیم کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں شناسائی کی لہر جاگی، ہونٹوں پہ دوستانہ تبسم ابھرا اور وہ پانی کی بالٹی اور مگ زمین پر رکھ کر تیزی سے ابراہیم کی سمت لپکا۔

"ابراہیم بابو! آپ۔۔۔۔۔" وہ شکرلال ہی تھا۔ جھبی آکر اس سے بغل گیر ہو گیا تھا۔ "کیسے ہیں آپ؟"

"میں تو بھلا چنگا ہوں، خیر سے ہوں، تم اپنی سناؤ یہاں کیسے؟ تم اور مسجد میں؟" ابراہیم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور ساتھ ہی اپنی حیرانگی کو سوال کی صورت اظہار بھی کر دیا۔

"ابراہیم بابو! آپ نماز ادا کر لیں، میری کہانی ذرا لمبی ہے، نماز کے بعد اطمینان سے سنئے گا۔" شکرلال نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے نماز کے بعد ملتے ہیں۔" اور پھر نماز فجر کی ادائیگی کے بعد ابراہیم نے شکرلال کو صفیں تہہ لگا رکھتے ہوئے دیکھا۔ ایک عجیب سا نور تھا جو اس کو شکرلال کے چہرے پہ دکھائی دے رہا تھا۔ ایک تبسم تھا جو اس کے لبوں پر مستقل سجا

ہوا تھا اور ابراہیم نے محسوس کیا کہ شکرلال کا لہجہ بھی بہت دھیمہ اور ملائم ہو گیا تھا۔

"آئیں ابراہیم بابو! ادھر قریب ہی میرا غریب خانہ ہے، وہاں بیٹھ کر تفصیل سے باتیں بھی کر لیں گے اور ناشتہ بھی۔" ابراہیم اپنی سوچوں میں گم تھا جب شکرلال نے اس کے قریب آکر کہا تو وہ چونک کر اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"چلو میاں ویسے بھی آج چھٹی کا دن ہے یہ چھٹی تمہارے ساتھ گزارتے ہیں بہت سی باتیں ہیں کرنے کے لیے وقت اچھا کٹ جائے گا ہمارا۔"

"جی۔" شکرلال مسکرا دیا اور ابراہیم کو مسجد کے قریب بنے چھوٹے سے گھر میں لے آیا۔ جہاں صرف ایک کمرہ تھا۔ غسل خانہ تھا، برآمدہ بھی کمرے سے آدھا تھا جہاں چولہا رکھا تھا ایک کونے میں کارنس پر باورچی خانے کے استعمال کی چند چیزیں اور چند برتن دیوار گیر الماری میں رکھے تھے۔ ابراہیم ناقدرانہ نظروں سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ کمرے میں باہر کی طرف ایک کھڑکی کھلتی تھی جس میں لوہے کے سریے اور جالی لگی تھی تازہ ہوا اور روشنی کے لیے وہ کھڑکی بہت مناسب تھی۔ دو پلنگ بچھے تھے۔ جن کی پانٹی پر دری تہہ لگا کر رکھی گئی تھی اور تکیے سرہانے

دھرے تھے۔ ایک کونے میں کھجور کی بنی جائے نماز رکھی تھی۔ سائیڈ پر ایک چھوٹا سا کارنس تھا جس پر بھگوان کی موتی کی بجائے رحل رکھی تھی، اور اس پر قرآن پاک جیسی مقدس کتاب سجی تھی۔ دیوار پر سامنے خانہ کعبہ کی خوب صورت تصویر آویزاں تھی۔ ابراہیم کی حیرت بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ شکرلال جو اسے کمرے میں چھوڑ کر ناشتہ بنانے چلا گیا تھا، کچھ دیر بعد ٹرے میں دو کپ چائے، بسکٹ اور پاپے پلیٹوں میں سجا کر لے آیا۔ ٹرے پلنگ پر رکھتے ہوئے بولا۔

"لیں ابراہیم بابو! ناشتہ کر لیں۔"

"شکریہ، یہ ناشتہ تو ہم کریں گے ہی مگر یہ بتاؤ کہ یہ ماجرہ کیا ہے؟ یہ کمرہ یہ آستانہ تمہارا ہی ہے یا تم کسی کے ساتھ مقیم ہو یہاں؟" ابراہیم نے پلنگ پہ بیٹھتے ہوئے استفسار کیا۔

"ہم کسی کے ساتھ مقیم ہیں یہاں۔" شکرلال نے جواب دیا۔

"اچھا! کہاں ہیں وہ جن کے ساتھ مقیم ہو؟"

"ادھر ہی آپ پہلے ناشتہ تو کر لیں، سب بتاتا ہوں اور ہاں مجھ غریب کے پاس یہی سوغات ہے آپ کی خاطر داری کے لیے۔۔۔ امید ہے آپ کو اچھا لگے گا۔" شکرلال نے ناشتے کی ٹرے کو دیکھ کر کہا۔

"اچھا کیسے نہیں لگے گا بہت اچھا لگے گا۔ کیونکہ اس میں تمہارا پیار شامل ہے
شکرلال۔"

"شکرلال نہیں ابراہیم بابو! محمد بلال۔۔۔ میں اب محمد بلال ہوں۔" شکرلال نے
جیسے ابراہیم کے سر پر ایٹم بم پھوڑا تھا۔

"کک۔۔۔ کیا؟" ابراہیم حیرت، مسرت اور فرط جذبات سے بول ہی نہ پایا۔
"جی۔"

"تو یہ سب تمہاری مسلمانی کا نتیجہ ہے۔"

ابراہیم نے پلنگ سے اٹھ کر کمرے میں موجود قرآن پاک، جائے نماز، خانہ کعبہ
کی تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"جی۔" محمد بلال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"مگر یہ سب کیسے ہو گیا؟"

"میرا وہ سپنا سچا ہو گیا۔" محمد بلال نے چائے کا کپ ابراہیم کی طرف بڑھاتے ہوئے
اسے ناشتے کی جانب متوجہ کیا وہ چائے کا کپ لے کر پلنگ پر بیٹھ گیا اور پھر ایک
دم سے اٹھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

"بہت بہت مبارک ہو تمہیں محمد بلال! تم نے تو بہت بڑی خوشی خبری سنائی ہے
سبحان اللہ، اس نے تمہیں اپنے گھر بلا ہی لیا نا آخر، اور تمہارے گھر والوں نے کچھ
نہیں کہا تمہیں؟"

"انہوں نے کیا کچھ نہیں کہا مجھے؟ وہ سب کہا جو انسان اپنے دشمن سے کہتا ہے۔
اپنے گھر سے ہمیشہ کے لیے نکال دیا۔ اپنے نام سے، حق سے عاق کر دیا۔ ان کا
بھائی، بیٹا تو شکرلال تھا نا۔۔۔ اور شکرلال، محمد بلال بن گیا تو انہوں نے اس سے
ہر رشتہ، ناطہ توڑ لیا، محمد بلال کے لیے ان کے دل اور گھر میں کوئی جگہ نہیں تھی۔
بس پھر میں اللہ کے گھر چلا آیا، جس کا مہمان بنا تھا اسی کے ذمے سب چھوڑ دیا۔
اسی کے بھروسے پہ اس کا ہو گیا۔ اس نے احساس دلادیا کہ جسے اپنے نہ اپنائیں
اسے اللہ اپنا لیتا ہے، اپنا بنا لیتا ہے، جو اس کا ہو جائے اسے پھر کسی اور کی حاجت
نہیں رہتی۔ جب دل کو یہ یقین ہو جائے کہ اللہ ہر پل ہر گھڑی ہمارے ساتھ ہے
تو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون کون ہمارے خلاف ہے؟ جس کا کوئی
نہیں ہوتا اس کا اللہ ہوتا ہے، اس نے رزق دینے کا وعدہ کیا ہے نا۔ تو جب اسے
سب کچھ مان لیا، اس پہ یقین ہو گیا تو اس کے وعدے پہ بھی اندھا یقین ہو جاتا
ہے۔ جس کے بھاگے (نصیب) مین جتنا رزق لکھا ہے وہ اسے ملنا ہی ملنا ہے اور جو

نہیں لکھا وہ لاکھ حیلے کر لو، ہاتھ پیر مار لو نہیں ملنا، جسے کوئی بھی پناہ نہ دے اسے اللہ پناہ دیتا ہے، ہر برائی سے برے آدمی کے شر سے پناہ دیتا ہے۔ "محمد بلال دھیرے دھیرے بولتا ابراہیم کو حیرت کے سمندر میں دھکیل رہا تھا جو ناشتہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی گفتگو سن رہا تھا اور دل ہی دل میں اللہ اکبر، سبحان اللہ کا ورد کر رہا تھا۔

"مسجد میں کیا کرتے ہو محمد بلال؟" ابراہیم نے پوچھا۔

"مسجد میں ضعیف اور بیمار نمازیوں کو وضو کراتا ہوں۔ مسجد کی صفائی ستھرائی، دھلائی کرتا ہوں، جھاڑو لگاتا ہوں۔ اذان دیتا ہوں۔"

"اذان؟" ابراہیم نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"جی اذان، جو کبھی مجھے اندر سے ہلا دیا کرتی تھی، اندر سے جھنجھوڑا کرتی تھی، آج میں خود وہ اذان دیتا ہوں، اس سے بڑھیا (بہترین) اور بڑی نوکری بھلا کوئی ہو گی؟ میں اس کا غلام ہوں اب جس کے سب غلام ہیں۔ آپ سب تو پیدائشی مسلمان ہیں ناں کہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے تھے تو مسلمان ہی کہلائے۔ پر مجھے اس (اللہ) نے خود چنا ہے اپنی مرضی سے، اپنے گھر کی چاکری کے لیے چنا ہے۔ اپنے بندوں کی سیوا کے لیے ملازمت اس نے مجھے دی ہے۔ اس نیک کام کے لیے اس

نے مجھے منتخب کیا ہے۔ ان تو اس کے انتخاب اور امیدوں پر کھرا اترنے کی کوشش میں ہوں۔" محمد بلال نے نرم اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"گھر والے یاد آتے ہیں؟" ابراہیم نے پوچھا۔

"گھر والے بھلائے تھوڑی جاتے ہیں ہاں مگر یاد کرنے کی فرصت بھی تو ہونی چاہیے نا۔" محمد بلال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور اپنی چائے ختم کر کے کپ ٹرے میں رکھ دیا۔

"پیدا کرنے والی ماں تو یاد آتی ہوگی محمد بلال کو؟"

"اب تو صرف پیدا کرنے والا رب یاد رہتا ہے۔ زندگی نے یہ سمجھا دیا کہ انسان اس دنیا میں اکیلا آیا تھا اور اسے واپس بھی اکیلا ہی جانا ہے۔ پھر غم کس بات کا؟ ماں، باپ، بھائی، بہنیں، دوست، رشتہ دار، نہ تو ان میں سے کوئی ہمارے ساتھ جائے گا اور نہ ہماری سفارش کرے گا۔ ہمارے کہے اور کیے کی چارج شیٹ ہمارے سامنے روز محشر رکھ دی جائے گی اور فیصلہ سنا دیا جائے گا۔ ہمارے اعمال کے پرچے کا رزلٹ سنا دیا جائے گا۔ پاس یا فیل۔ سزا یا جزا، ہمیں اکیلے ہی بھگتنا اور سننا ہو گا وہ رزلٹ۔" محمد بلال نے سنجیدگی سے کہا۔

"ٹھیک کہا تم نے بالکل درست کہا، تم تو ذاکر، واعظ، مولوی ہو گئے، محمد بلال۔"

ابراہیم نے اس کی گفتگو سے متاثر ہو کر کہا۔

"ارے کہاں ابراہیم بابو! ابھی تو میں اچھے سے مسلمان بھی نہیں ہوا، صرف کلمے کا مسلمان ہوں، مسجد میں اذان دینے تک کی رسائی اس سوہنے رب کی مہربانی اور نظر کرم ہے بس۔" محمد بلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ابراہیم نے بہت رشک بھری نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا جس ماتھے پہ کبھی تلک لگی ہوتی تھی آج اسی ماتھے پہ محراب ابھر رہی تھی، اس کے سجدوں کی گواہی بن کر۔

"مگر یہ سب ہوا کیسے شکر لال، اوہ معاف کرنا محمد بلال۔۔۔ شکر لال سے محمد بلال تک کا سفر کیسے طے ہوا؟ وہ سپنا، کیسے سچ ہوا، بتاؤ نا میاں؟" ابراہیم کے لہجے میں بے تابی اور تجسس تھا۔ محمد بلال نے گہرا طویل سانس لبوں سے خارج کیا اور نرم دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

"ابراہیم بابو! آپ مسجد نماز کی ادائیگی کے لیے چلے گئے تھے تو میں بھی آپ کے جانے کے بعد وہاں سے نکل گیا۔ گھر جا نہیں سکتا تھا کہ بڑا آدمی بن کر جانے کا عہد اور دعویٰ کر کے گھر سے نکلا تھا۔ اب یونہی کیسے واپس چلا جاتا؟ سب یہی کہتے ناکہ لوٹ کے بدھو گھر کو آیا۔ بس یہی سوچ کے میں ایک بس میں سوار ہو گیا۔

بس نے مجھے لاہور کے بس اڈے پہ اتار دیا۔ میرے آس پاس لوگوں کا ہجوم تھا۔ چاروں اور خلقت ہی خلقت تھی۔ نیا شہر، نئی جگہ، نئے لوگ، نئے راستے اور میں خالی الذہن، انجان، اجنبی، کم فہم، کم علم آدمی۔۔۔ مجھے تو کچھ نہیں پتا تھا کہ کہاں جانا ہے، کیا کرنا ہے؟ بھوک بھی بہت لگی تھی اور پتا نہیں تھا کہ کھانا کہاں ملے گا؟ جب چلتے چلتے تھک گیا اور بھوک سے پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے تو میں نے ایک آدمی سے پوچھا۔ "بھائی! بھوک لگی ہے کھانا کہاں سے ملے گا؟ تو وہ بولا۔ 'داتا' دربار چلے جاؤ یا بی بی پاک دامن کے مزار پہ جاؤ۔ وہاں دن رات لنگر چلتا ہے جاؤ اپنی بھوک مٹاؤ۔۔۔ پر۔۔۔!"

"پر کیا؟" ابراہیم جو بہت دلچسپی سے اس کی داستان حقیقت سن رہا تھا اس کے لمحے بھر کے توقف پر بے تاب ہو کر بولا۔

"پر میرا من نہیں مانا ابراہیم بابو۔"

"کیوں تمہیں تو بہت بھوک لگی تھی نا؟"

"ہاں پر بھوک مٹانے کی خاطر میں کسی داتا جی کے دربار اور پاک بی بی کے مزار پہ جا نہیں پایا۔ عقیدت میں جاتا تو الگ بات تھی لیکن صرف اپنی بھوک مٹانے کو

نیک، پاک، بزرگ ہستیوں کے مزار پہ جانے کو من نہیں مانا میرا۔" محمد بلال نے سنجیدگی سے کہا تو ابراہیم مسکراتے ہوئے بولا۔

"ارے پگلے! یہ بزرگ، ولی، اللہ کے نیک بندے تو اللہ نے بھیجے ہی اس لیے ہیں کہ اللہ کی مخلوق کی مدد کریں۔"

"بات تو آپ کی ٹھیک ہے مگر پتا نہیں کیوں قدم وہاں جا کے رک سے گئے اور میں اندر جانے کی جرات نہ کر سکا اور تھک کر مزار کے باہر پیڑ سے ٹھیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ابھی مجھے وہاں بیٹھے ہوئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک بوڑھا آدمی میرے پاس آیا، اس آدمی نے ہرے رنگ کا چوغہ پہن رکھا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں پلاؤ کی ایک پلیٹ تھی جو اس نے مسکراتے ہوئے میری جانب بڑھادی اور بولا۔

"یہ تمہارا حصہ ہے لو شاباش بسم اللہ کرو۔" میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

"آپ کو کیسے پتا جی کہ میں بھوکا ہوں؟" وہ بوڑھا مسکراتے ہوئے بولا۔

"جس نے یہ لنگر چلا رکھا ہے اسے تو پتا ہے نا۔ وہ جو سب میں اس کے حصے کا رزق تقسیم کرتا ہے تو وہ جانتا ہے نا کہ کون بھوکا ہے کسے کب کہاں رزق پہنچانا ہے؟ وہ سب کو دیتا ہے جو اس کو مانتے ہیں اور انہیں بھی جو غیر اللہ کو مانتے ہیں۔

پوچتے ہیں۔" یہ سن کر تو میرا جسم کانپنے لگا۔ وہ بوڑھا آدمی مجھے پانی بھی دے گیا تھا۔ مجھے بھوک بہت زوروں کی لگی تھی اور پلاؤ کی خوشبو میری بھوک چکا رہی تھی۔ میں نے فوراً اپنے ہاتھ دھوئے اور مرغ پلاؤ کھانے لگا۔ وہ پلاؤ اتنا لذیذ تھا کہ اس کا ایک ایک دانہ مجھے مزادے رہا تھا۔ میرا پیٹ بھر گیا تھا۔ کھاپی کر خود کو بہت بہتر محسوس کر رہا تھا۔ بھرے پیٹ کے ساتھ آنکھوں میں بھی نیند بھرنے لگی۔ سفر کی تھکن کی وجہ سے اور کافی دیر پیدل چلنے کی وجہ سے مزید چلنے کی ہمت نہیں تھی سو میں وہیں پیڑ کے نیچے چادر بچھا کے لیٹ گیا اور نیند کی وادی میں پہنچ گیا۔ اور۔۔۔!!" محمد بلال بولتے بولتے رکا اور کھوئے کھوئے انداز میں گہرا سانس لیتے ہوئے کمرے کی چھت کو تنکے لگا۔ ادھر ابراہیم کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر بے تابی سے پوچھا۔

"اور کیا بتاؤ نا؟"

"اور نیند میں 'میں نے پھر وہی سنا دیکھا کہ میں مسجد کے صحن میں جھاڑو پھیر رہا ہوں' مصلے بچھا رہا ہوں' پر اب کی دفعہ میں سنے میں اذان بھی دے رہا تھا۔"

"اذان۔" ابراہیم حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔

"ہاں ابراہیم بابو! اللہ اکبر! اللہ اکبر" میری زبان سے ادا ہو رہا تھا۔ میں ہڑبڑا کے نیند سے جاگا تھا۔ میرا بدن پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔ میں اسی حالت میں بیٹھا تھا کہ بوڑھا آدمی میرے پاس آیا اور بولا۔

"جب انسان اجتماعی پکار پہ کان نہ دھرے نہ جاگے تو اوپر والا اسے انفرادی طور پر سپنے میں آ آ کے جھنجھوڑتا ہے، جگاتا ہے، اس بتاتا ہے کہ مالک و مختار، عزیز اور پروردگار، خالق کائنات صرف اللہ ہے۔ سب سے بڑا اللہ ہے۔ اللہ اکبر! اللہ اکبر۔۔۔ بس ابراہیم بابو! پھر میں وہاں سے سر پہ پیر رکھ کے بھاگ لیا مگر۔۔۔۔۔"

"مگر کیا؟" ابراہیم کی نظریں اس کے چہرے پہ جمی تھیں۔

"آپ نے ٹھیک کہا تھا ابراہیم بابو! میں جتنا مرضی بھاگ لوں اس (اللہ) سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا اس کی حدود سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اس کی پہنچ سے دور نہیں جا سکتا۔ اس سے بچ کر کہیں نہیں چھپ سکتا۔ وہ تو اندھیری غار میں سے بھی آدمی کو ڈھونڈ نکالتا ہے۔۔۔ وہ اللہ مجھے بھی گھسیٹتا ہوا اپنے در پہ لے آیا۔ میں بہت بھاگا مگر اس نے میرے قدموں کا رخ اپنے گھر کی طرف موڑ لیا، من بڑا گڑگڑایا۔ مزاحمت کی تو من کو بھی تپکی دے کر سمجھا لیا۔ بھگوان جی سے بنی کی پر بھگوان جی بھی مٹی کی مورت بنے رہے۔ میری کوئی مدد نہ کی نا مجھے اپنی اور

کھینچا۔۔۔ کچھ تو تھا جو مجھے کھینچ کر گھسیٹ کر اس (اللہ) کے گھر لے گیا میں اندھا دھند بھاگتا رہا، بھاگتا رہا، اور آخر تھک کے ڈھیر ہو گیا تھا۔ ٹانگیں جیسے بے جان ہو گئیں تھیں۔ اپنا ہی بوجھ اٹھانا دشوار ہو گیا تھا۔ میں ایک جگہ ڈھے گیا۔ آنکھیں آپ ہی آپ بند ہونے لگیں۔ میں بری طرح ہانپ رہا تھا۔ میں تھک چکا تھا۔ حرکت کرنے کی بھی سکت نہ تھی مجھ میں، یہاں تک کہ سانس لینا بھی محال تھا اور ایسے میں 'مندی مندی آنکھوں کے سامنے وہی سبز گنبد جھلملانے لگا جو میں نے سپنے میں دیکھا تھا۔ جو مسجد میں نے سپنے میں 'خواب میں دیکھی تھی میں اسی مسجد کے دروازے پہ گھٹنے ٹیک کے بیٹھا تھا۔ مسجد کے اندر سے آنے والی آواز مجھے ہوش میں لے آئی تھی۔

"اللہ ہو! اللہ ہو" کی آواز اور "لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" کی تکرار اور تسبیح اور اقرار، ایک جادو تھا جیسے اس ورد میں جسے سن کے میرے اندر دھیرے دھیرے طاقت سی آنے لگی۔ میرے حواس بحال ہونے لگے۔ اعصاب کا تناؤ ختم ہو گیا میں ایک دم سے ہلکا ہو گیا سوکھے پتے کی طرح ایک دم ہلکا جسے ہوا اپنے دوش پہ جہاں چاہے اڑا کے لے جائے، کلمہ توحید بھی میرے لیے ہوا سا تھا، باد صبا کا نرم جھونکا تھا جو مجھے اپنی سمت اپنے ساتھ اڑا کے لے جا رہا تھا۔ مجھے پتا بھی نہیں

چلا کہ میں کب؟ کیسے کھڑا ہوا اور میرے قدم مسجد کے اندر کی جانب بڑھنے لگے اور آن کی آن میں 'شکر لال' مسجد میں داخل ہو گیا اور زبان بھی وہی کلمہ پڑھنے لگی جو مسجد میں موجود نمازی پڑھ رہے تھے۔ وہی ورد و زبان پہ جاری ہو گیا جو وہاں بیٹھے مسلمانوں کی زبان پہ جاری تھا۔

"اللہ ہو، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔۔۔ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" میں بھی وہ پڑھ رہا تھا جو وہ سب نمازی پڑھ رہے تھے اور ایسا اپنے آپ ہو رہا تھا۔ میں وہاں ایسے کھنچا چلا گیا تھا جیسے مقتطیس، لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ توحید، ایمان اور اللہ کی واحدانیت وہ مقتطیس ہے جس نے مجھ بے ایمان، غیر اللہ کو پوجنے والے زنگ آلود لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیا اور لوہے کو کندن بنا دیا۔ اپنی طرف کھینچ کر سب سے کھینچ لیا۔ مجھے اپنا بنا لیا اور مجھے اپنوں سے چھڑا لیا۔"

"تم مسجد میں داخل ہوئے تو کسی نے کچھ کہا نہیں تمہیں؟" ابراہیم نے بے تابلی سے پوچھا۔ محمد بلال کھوئے ہوئے انداز میں بولا۔

"کہا تھا! کسی نمازی نے کہا تھا، ارے یہ تو ہندو ہے، یہ مسجد میں کیسے آگیا؟" کوئی بولا۔

"اسے مسجد سے باہر نکالو اس نے مسجد کو ناپاک کر دیا ہے یہ تو خود بھی ناپاک ہے۔" تب مسجد کے مولوی صاحب کہنے لگے۔

"یہ ناپاک کیسے ہو گیا میرے بھائی، سن نہیں رہے آپ یہ تو اپنے پاک ہو جانے کی گواہی دے رہا ہے۔ اللہ ہو کا ورد کر رہا ہے۔ جب اللہ کو ایک مان لیا، وحدہ لا شریک مان لیا۔ زبان سے "لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" ادا ہو گیا تو تن من تو خود بخود پاک صاف اور پاکیزہ ہو گیا۔ اور پھر مولوی صاحب منبر سے اتر کر میری جانب آتے ہوئے مسکراتے نرم لہجے میں بولے۔ آؤ بھائی آؤ، خوش آمدید، اللہ کے گھر میں، اللہ کے دین میں آمد مبارک ہو، ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ آؤ میں تمہیں وضو کراتا ہوں، پھر کلمہ اور سجدہ تو تم سیکھ ہی لو گے۔"

"اللہ اکبر۔" ابراہیم فرط مسرت سے جھوم اٹھا۔

"بس پھر وضو بھی ہو گیا، کلمہ بھی پڑھ لیا اور نماز بھی۔ پہلے مولوی صاحب کے پیچھے نماز پڑھتا تھا یہ نیا نیا مسلمان جو محمد بلال بن گیا تھا، اب یہ رتبہ اور شان ہے اس کی کہ اذان بھی دیتا ہے اور کبھی کبھی امامت بھی کراتا ہے، مولوی کریم اللہ نے شکر لال کا نام محمد بلال رکھ دیا، شکر لال اتنا بڑا آدمی بن گیا کہ اذان دینے لگا۔ وہ شکر لال جو کبھی "اللہ اکبر" کی آواز اور پکار سن کر بھاگتا تھا، جو اذان سن

کر ڈرنے اور کانپنے لگتا تھا، وہ آج محمد بلال بنا لوگوں کو پکارتا ہے، بلاتا ہے، اللہ کے گھر کی طرف اذان دیتا ہے، پانچ وقت اور لوگ اس مسجد میں بھاگے چلے آتے ہیں نماز کے لئے۔۔۔ میں یہاں بہت مزے میں ہوں، سکون ہی سکون ہے، شانتی ہی شانتی ہے ایک کلمے نے ایک ایمان نے، ایک عقیدے نے مجھے مسلمان بنا دیا۔ ایک اللہ نے مجھے اپنے رستے کا مسافر بنا کر سر سے پیر تک بدل کے رکھ دیا۔ میرا ظاہر باطن بدل دیا، زبان، بیان، لہجہ، رویہ، صورت، سیرت، رنگ ڈھنگ، حتیٰ کہ میرا پہناوا تک بدل دیا۔ اب میں ماتھے پہ تک نہیں لگاتا بلکہ اب یہ ماتھا زمین پہ سجدے کے لیے ٹکاتا ہوں۔ سچ کہتا ہوں ابراہیم بابو! کل تک میں رنگ رنگ کے بتوں کو پوجتا تھا مگر پھر بھی زندگی بے رنگ تھی۔ اور آج اس سوہنے رب کے رنگ میں رنگ گیا ہوں تو لگتا ہے جیسے قوس و قزح کے سارے رنگ مجھ ہی سے پھوٹے ہیں، دنیا کے ہر رنگ، ڈھنگ، سنگ کا مالک صرف اللہ ہے۔۔۔ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔"

"واہ رے مالک! تیرے رنگ۔ سبحان اللہ، کیا شان ہے میرے اللہ کی۔ کتنا ایمان افروز قصہ ہے تمہاری زندگی کا محمد بلال، جیو خوش رہو۔" ابراہیم خوشی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"شکریہ! " محمد بلال مسکرایا۔

"اچھا یہ بتاؤ محمد بلال قرآن پاک پڑھنا سیکھ لیا؟" ابراہیم نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"ابھی تو صرف "اللہ اکبر" سیکھا ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم، بولنا سیکھا ہے، نماز یاد کی ابھی تو۔۔۔۔ اور صرف پڑھنا تو فرض نہیں ہے ابراہیم بابو، اصل بات تو عمل کرنا ہے، سبق تو سب پڑھاتے ہیں، عمل کی ہدایت اور تاکید کوئی نہیں کرتا۔۔۔ اور اسلام تو ہے ہی دین عمل، قرآن پاک ایک تھیوری ہے جس پر ہمیں پریکٹیکل کرنے کی ضرورت ہے۔ عمل درست نہیں ہوگا تو ہم فیل ہو جائیں گے۔ اللہ نے اس دنیا کو امتحان گاہ کہا ہے نا اور قرآن پاک کتاب ہے، جسے ہمیں اپنے عمل میں لانا ہے اب جیسا عمل ہوگا ویسا رزلٹ سامنے آئے گا۔ جیسے اسکول، کالج، مدرسے میں طالب علم کورس کی کتابیں پڑھتے ہیں، کچھ ذہین طالب علم سمجھ کر پڑھتے ہیں اور عمل کی کوشش کرتے ہیں جبکہ کچھ طالب علم صرف رٹا لگاتے ہیں امتحان میں پاس ہونے کے لیے یا مستقبل میں اچھی نوکری حاصل کرنے کے لیے۔۔۔ نتیجہ آنے پر دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جاتا ہے سب کو پتا چل جاتا ہے کہ کس نے کتنا پڑھا، کتنا یاد رکھا، کتنا سمجھا اور کتنا عمل کیا۔۔۔ اچھا، برا، غلط

درست سب چل جاتا ہے، خالی رٹا لگالینے سے سبق یاد تو رہ جاتا ہے کچھ عرصے کو لیکن ہمیشہ یاد نہیں رہتا اور ایک دن رٹا رٹایا سبق بھی بھول جاتا ہے اور طالب علم اسکول حیات میں زندگی کے کالج میں پیش آنے والے امتحانات میں فیل ہو جاتا ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو میاں! عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی، آکس کے مارے، نیستی مارے سستی کے دوست ہیں ہم۔۔۔ عمل سے جان جاتی ہے ہماری، بس پکی پکائی کھانے کی خواہش اور منشا ہے۔ کام کرنے کے لیے ہاتھ پیر ہلانے پڑتے ہیں، ہم تو روزمرہ کے امور زندگی میں عمل سے بھاگتے ہیں تو قرآن پاک پر کیا عمل کریں گے حالانکہ ہماری زندگی کا، ہماری طرز حیات کا ہر اصول، ہر مسئلہ کا، پریشانی کا حل ہر سوال کا جواب قرآن پاک میں موجود ہے لیکن ہماری بد قسمتی دیکھئے کہ ہمارے پاس اس بابرکت کتاب کو پڑھنے کی بھی فرصت نہیں ہے، عمل تو بہت دور کی بات ہے۔" ابراہیم نے سنجیدہ اور تاسف زدہ لہجے میں کہا۔

"جی ابراہیم بابو! قرآن پاک تو عمل کی کتاب ہے لوگوں نے اسے پڑھنے کی کتاب بنا دیا ہے۔ زندوں کا منشور ہے، مردوں کا دستور بنا کر رکھ دیا لوگوں نے، سینوں میں، دل و دماغ میں محفوظ کرنے کی بجائے خوب صورت ریشمی، مخملی جزدان میں

لپیٹ کر الماریوں میں سجا کے رکھ دیا ہے۔ یوں کہیے کہ طاق نسیاں پہ اٹھا رکھا ہے۔"

"واہ سبحان اللہ! تو تو سچ مچ بڑا آدمی بن گیا محمد بلال، اتنی فصاحت، اتنی شیرینی، اتنا فہم و ادراک، تجھے چند دن کے قبول اسلام نے بخش دیا ہے، آگے آگے دیکھیے محمد بلال کی دین اسلام سے محبت کیا رنگ لاتی ہے؟" ابراہیم نے خوش ہو کر مسکراتے ہوئے ستائش سے پر لہجے میں کہا۔ محمد بلال مسکراتے ہوئے بولا۔

"دعا کریں ابراہیم بابو! کہ میں سچ مچ بڑا آدمی بن جاؤں، میں تو اپنے گھر سے ماں باپ کی ادھاری چکانے نکلا تھا۔ ان کا میرے اوپر خرچ کیا گیا پیسہ لوٹانے کے لئے مزدوری نوکری کرنے کو چلا تھا، پیسہ تو کچھ لوٹا دیا ماں باپ کو پر میں سوچتا ہوں کہ کیا ماں باپ کے پیار، متا اور دلار کا بھی کوئی حساب چکتا کر سکتا ہے؟ کیا ماں کی متا سکوں کی کھنک سے خریدی جاسکتی ہے؟ کیا خون کے رشتے پیسے کے لیے دولت کے لیے پرائے ہو سکتے ہیں؟ کیا اپنوں کے لیے کیا گیا کام، فرض، پیار، اعتبار، کھانا پینا، آرام، آسائش مہیا کرنا، کیا یہ سب حساب کی کاپی میں لکھنے لائق ہوتا ہے؟ کیا دولت، روپیہ پیسہ، کام، دام، بھی ایک ہی ماں باپ کی اولاد کو چھوٹا بڑا، امیر فقیر، حقیر اور دل پذیر بنا سکتا ہے؟ کیا ماں باپ کو زیادہ کمانے والا بیٹا زیادہ پیارا ہو جاتا

ہے؟ اور کم کمانے والا کم پیارا؟ اور جو نکما، ناکارہ اور کمانے والا نہ ہو وہ آوارہ ہو جاتا ہے ان کی نظر میں؟ کیا دولت اور باورچی خانے کا راشن جمع کرنے والا کماؤ پوت ہوتا ہے؟ پیسہ ہر رشتے ناطے کے ماپنے کا معیار اور پیمانہ کیوں بن گیا ہے ابراہیم بابو؟ پیسے کے بنا پیار کیوں نہیں کر پاتے ہم ایک دوجے سے؟ اس روپے پیسے کے مٹی، گارے نے تو رشتوں کی بنیادیں ہی نہیں عمارتیں بھی کھوکھلی اور بوسیدہ کر دی ہیں۔ مسکراہٹ کو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ قرار دیا ہے، تحفہ قرار دیا ہے، مگر آج کل اگر کوئی مسکرا کے ملے تو ذہن میں پہلا خیال ہی یہ آتا ہے کہ اس مسکراہٹ کے پیچھے ضرور کوئی مطلب چھپا ہو گا۔ ہر رشتہ مطلبی، ہر تعلق خود غرضی میں لپٹا ہے۔"

"ہر رشتہ۔۔۔ کیا ماں کا رشتہ بھی؟" ابراہیم بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"جی ابراہیم بابو! جننے والی ماں بھی حساب مانگتی ہے، آج کے دور کی تو ماں بھی اولاد سے حساب مانگتی ہے اپنی قربانیاں جتاتی ہے، راتوں کا جاگنا، گیلے بستر کو سوکھے بستر میں بدلنے کے لیے اٹھنا، دودھ پلانا، نوالے بنا بنا کے کھلانا، نہلانا دھلانا، سبھی یاد کراتی ہے، دودھ نہ بخشنے کی تڑی (دھمکی) بھی لگاتی ہے، آج کی ماں۔ اب تو اگلی

پکڑ کر چلنا سیکھانے والا باپ بھی اپنے کام کے دام مانگتا ہے، ادلے کا بدلہ ہے یہ تو ابراہیم بابو! بچپن میں میرے باپ نے مجھے انگلی پکڑ کے چلنا سکھایا اس لیے کہ میں اس کے بڑھاپے میں اس کی میسا کھی بنوں، اسے سہارا دوں، اسے پالوں، کھلاؤں، پلاؤں، اچھا پہناؤا پہناؤں، کل اس نے جو مجھ پہ لگایا تھا۔ ماں باپ اولاد پر انویسٹ کرتے ہیں۔ تاکہ ان کے بڑھاپے میں وہ انہیں منافع دے سکیں سود سمیت۔"

"لگتا ہے بڑی گہری چوٹ کھائی ہے تم نے اپنوں کے رویے اور دنیا کے برتاؤ سے۔" ابراہیم نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابراہیم بابو! سب کچھ بس فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی جلدی سیکھ لیتا ہے اور کوئی دیر سے سیکھتا ہے، کوئی سمجھ جاتا ہے اور کوئی نہیں سمجھتا۔" محمد بلال نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو تم نے کیا سیکھا، کیا سمجھا محمد بلال؟"

"وہی جو آپ کو ابھی بتایا ہے۔"

"یعنی۔۔۔" ابراہیم نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا۔

"یعنی یہ دنیا مطلبی ہے بڑی ہی مطلبی، ابراہیم بابو یہاں ہر آدمی دوسرے آدمی سے اپنے فائدے کے لیے ملتا ہے، اپنا الو درست کرنے کے لیے دوسروں سے ناجائز تعلقات بناتا ہے، مراعات حاصل کرنے کے لئے تعلقات بڑھاتا ہے۔ ہر رشتہ ہر ناطہ، ہر تعلق کسی نہ کسی مفاد کی پیداوار ہے، ہر جذبے کے پیچھے کوئی نہ کوئی غرض، لالچ، مفاد پوشیدہ ہے۔ منافع کی توقع کے بنا کوئی باپ بیٹے پہ پیسہ انویسٹ نہیں کرتا، ماں باپ کہتے ہیں کہ میں نے تمہیں پال پوس کے بڑا کیا، پڑھایا، لکھایا تمہیں اعلیٰ عہدے تک پہنچنے کے لائق بنایا، تمہاری ہر ضرورت، ہر فرمائش پوری کی تو۔۔۔۔۔ اب تم بھی ہماری ہر ضرورت اور فرمائش پوری کرو۔۔۔ یعنی جو ہم نے تمہیں کل دیا تھا وہ تم آج ہمیں واپس لوٹا دو۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو تم نافرمان، نالائق اور ناخبر کھلاؤ گے، میری بہن ٹھیک ہی کہتی تھی کہ "ماں باپ کو بھی کماؤ پوت پسند ہوتے ہیں" محمد بلال جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا۔ ابراہیم اس کے تجربے اور تجربے کے بیان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔

"خیر اب اتنے بھی برے حالات و خیالات نہیں ہیں بلال میاں! دنیا میں ماں باپ کے سوا کوئی رشتہ بے لوث، بے ریا اور بے غرض نہیں ہے، ماں باپ تو اپنی اولاد کی بھلائی کے لیے ہی سب کچھ کرتے ہیں۔ اپنی اولاد کی بہتری، بھلائی اور کامیابی

چاہتے ہیں۔ اسے اونچے، بلند اور اعلیٰ مقام پر دیکھنے کی تمنا اور دعا کرتے ہیں۔ اپنی اولاد کو بلند کردار اور اعلیٰ منصب و مقام کا مالک دیکھنا چاہتے ہیں۔ والدین کی ڈانٹ پھنکار اس لیے ہوتی ہے کہ وہ تمہیں دنیا کی ڈانٹ پھنکار اور دھتکار سے بچالے۔ تم اتنے مضبوط اور تناور درخت بن جاؤ کہ لوگ تمہارے سائے میں آکے بیٹھیں۔ تمہاری دھوپ، چھاؤں لوگوں کو سکون اور آرام بخشنے، نہ کہ تم دوسروں کے سائے میں پناہ ڈھونڈتے پھرو۔ "

"آپ کی بات بھی ٹھیک ہے پھر بھی دنیاوی رشتے غرض کے رشتے ہیں ابراہیم بابو! ضرورتیں نہ ہوں تو شاید لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رہنا بھی چھوڑ دیں۔" محمد بلال نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں تمہاری بات میں دم ہے محمد بلال، دراصل کوئی ایک انسان معاشرہ تشکیل نہیں دے سکتا۔ معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ انسانوں کے ساتھ مل کر زندگی بتانے سے ہی بنتا ہے۔ یہ تو قدرت کا قانون ہے کہ ہم انسان ایک دوسرے سے اپنی ضرورتوں کی وجہ سے جڑے رہتے ہیں۔ کوئی اکیلا انسان دنیا میں نہیں رہ سکتا، ہر انسان کو اپنی کسی نہ کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے دوسرے انسان سے ملنا پڑتا ہے۔ تعلق بنانا، رشتہ جوڑنا پڑتا ہے اسی طرح یہ معاشرہ بنتا، پھیلتا، پھولتا اور

پنپتا ہے۔ یہ ضرورتوں کا سلسلہ تو اللہ نے انسان کو انسان سے جوڑے رکھنے کے لیے رکھا ہے۔ میل ملاپ ضروری ہے تاکہ معاشرہ قائم ہو سکے۔ خاندان بن سکیں، منفی صورت حال اور منفی رویوں کو سمجھداری کے ساتھ ہینڈل کرنا، اپنے اوپر کی جانے والی تنقید و تضحیک کو نظر انداز کرنا دوسرے کا غصہ برداشت کرنا، صبر تحمل کا مظاہرہ کرنا ہی اس امتحان کو کامیابی کے راستے دکھاتا ہے۔ ابراہیم نے اسے سنجیدگی سے رسائیت سے سمجھانے والے انداز میں کہا تو وہ مسکرا دیا اور کہنے لگا۔ "سچ کہا آپ نے اور سچ تو یہ بھی ہے کہ بے مطلب کا، بے غرضی کا رشتہ صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ کا رشتہ، بے غرض، بے لوث، وہ اللہ جو اپنے بندے کو بن مانگے دیتا ہے اور حساب بھی نہیں مانگتا۔ وہ انسانوں کی طرح شرطیں نہیں لگاتا۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ میری عبادت کرو گے تو میں تمہیں کھانے پینے کو رزق دوں گا، سر ڈھانپنے کو چھت دوں گا، وہ تو صرف ہمارے گناہوں کا، برے کاموں کا ہماری غلطیوں کا حساب مانگتا ہے۔ وہ تو یہ سوال کرتا ہے کہ اے میرے بندے! تو نے اپنے جیسے کسی انسان کو دل کیوں دکھایا؟ وہ تو اپنی مخلوق پہ ظلم و نا انصافی کرنے کا حساب مانگتا ہے۔ خلاق خدا کو پریشان کرنے کا حساب مانگتا ہے۔ خلق خدا کو پریشان کرنے پہ سوال اٹھاتا ہے۔ وہ تو بڑا سیدھا سادہ اصول سامنے رکھتا ہے اور

کہتا ہے "سیدھے راستے پہ چلو ورنہ برے عذاب کے لیے تیار رہو۔" اور یہی نہیں روز حساب سے پہلے توبہ اور معافی کی مہلت بھی دیتا ہے۔ وہ سب سے سچا اور اچھا رشتہ ہے انسان کا اس (اللہ) کو دل سے مان لو، اس کی بات مان لو اور جواب میں اس سے اپنی بات منوالو، اسے منانا بہت آسان ہے ابراہیم بابو۔ پر اس کے بندوں کو منانا بڑا ہی مشکل ہے۔ رب راضی تو سب راضی۔"

"یہی تو مسئلہ ہے محمد بلال کہ رب راضی ہو جاتا ہے پر اس کی مخلوق راضی نہیں ہوتی۔ ہم اللہ کی باتیں تو بہت کرتے ہیں مگر اللہ کی باتوں پہ عمل بہت کم کرتے ہیں۔ اس کی باتیں سنتے ہیں مگر مانتے نہیں ہیں۔ حالانکہ راضی بہ رضا رہنا ہی جنت کی نوید سنا سکتا۔ ہم نہ اس کی سنتے ہیں، نہ اس کی مانتے ہیں، نہ اس کے کہے پہ عمل کرتے ہیں، اور پھر بھی اسی سے شکوے گلے کرتے ہیں جو دیتا ہے اس کا شکر ادا نہیں کرتے اور جو نہیں دیتا اس کا گلہ فوراً کرنے لگتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ ہم نے ایسا کیا کیا ہے جو وہ ہمیں دیئے چلے جا رہا ہے۔ نوازے جا رہا ہے۔" ابراہیم نے مسکراتے ہوئے انسانی فطرت و عادت کا ذکر کیا تو محمد بلال بھی اس کے لیے چائے بنا کر لاتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہاں ابراہیم بابو! وہ سارے عالم کا پالن ہار ہے، وہ تو مسلمان اور غیر مسلم سب کو دیتا ہے، رزق بھی، چھت بھی، دولت بھی، وہ تو ہر ذی روح کو رزق دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ اگر تم اسے مانو گے تو وہ تمہیں مانے گا اور نوازے گا۔۔۔ وہ تو کتاب (قرآن پاک) بھیج کر راستہ دکھا کے، صحیح، غلط سمجھا کے کہتا کہ لو اب تمہارا عمل ہے، تمہاری مرضی ہے، جس راہ پہ چاہو چلو، ہاں اگر حق سچ کی دین کی، اللہ کی راہ پہ چلو گے تو فلاح پاؤ گے۔ اور اگر سیدھے رستے سے بھٹک گئے، غلط راستے پہ چل پڑے تو فنا ہو جاؤ گے، پھر تباہی تمہارا مقدر ہے، آخرت میں بھی پھر تمہیں سکون اور چین نہیں ملنے والا۔

جیسا راستہ ویسی منزل!

جیسی نیت ویسی عبادت!

جیسا عمل ویسا پھل!"

"یہ تو اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے ابراہیم بابو! اللہ کا رشتہ سب سے سچا اور کھرا رشتہ ہے جب سب چھوڑ جاتے ہیں تب وہ ہمیں اپنا لیتا ہے، کھلے دل اور کھلی بانہوں کے ساتھ، اگر اس نے تمہیں اپنی پناہ میں لے لیا تو سمجھو کہ تم نے کچھ نہیں کھویا کیونکہ جس نے اللہ کو پالیا اس نے کھویا کچھ نہیں اور جس نے اللہ کو گنوا

دیا اس نے پایا کچھ نہیں۔ مانو تو۔۔۔ اس نے سب کچھ گنوا دیا۔ اور سچ کہوں؟ ابراہیم بابو! جب انسان کو محبتوں کا سمندر مل جائے نا، اس کے سامنے محبت کے کوزے کی اہمیت اور قیمت آپ ہی آپ کم ہو جاتی ہے اس (اللہ) کی محبت سمندر ہے اور انسان کی انسان سے محبت کوزہ ہے۔ بہت کم ہے اور ایک دن ختم بھی ہو جاتی ہے یہ محبت۔۔۔ پھر رگ رگ کو نس نس کو سمجھ آ جاتی ہے کہ جو بھی ہے بس "اللہ" ہے۔۔۔ بقا۔۔۔ فنا سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ انسان تو صرف مٹی کا مادھو ہے، پتلا ہے مٹی کا، جسے وہ اپنے اشاروں پہ چلاتا ہے، نچاتا ہے، جیسے چاہتا ہے اس کی ڈور کاٹ دیتا ہے۔ ایسے میں بھلا کون اسے روک سکتا ہے؟ ماں باپ، بھائی بہن، یار دوست، رشتے دار کوئی بھی نہیں۔۔۔ کٹی ہوئی ڈور کو پھر سے پہلے سی نہیں جوڑ سکتے وہ لوگ۔۔۔ مردے کو زندہ نہیں کر سکتے، بے جان میں جان نہیں دال سکتے، بے ہدایت انسان میں ہدایت نہیں پھونک سکتے، روح تو وہی پھونکتا ہے، جو جسم پیدا کرتا ہے اس میں زندگی ڈالتا ہے، روح پھونکتا ہے۔ روح قبض کرنے کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے۔ ہم انسان تو سب بے بس ہیں، بے اختیار ہیں اس کے سامنے اس کے کسی فیصلے سے روگردانی کریں ہماری کیا مجال؟ میری مثال آپ کے سامنے ہے۔"

آخرت میں اپنا ٹھکانہ جنت کرنے کا۔ دوزخ یا بہشت یہ انسان کے کرم کا پھل ہے۔ جس نے اپنی آخرت آرام دہ بنانی ہو گی وہ اس کے رستے پہ چلے گا نیکی کرے گا اور جسے شیطان کا چیلہ بننا ہے وہ بدی کرے گا، اسے دوزخ کی آگ، اپنے آپ ہی اپنی اور کھینچ لے گی۔ چھوٹ کسی کو نہیں ملتی، پکڑ تو دونوں صورتوں میں ہو گی، نیکی کر کے بھی اور بدی کر کے بھی۔۔۔ اچھی پکڑ نیکیوں کی بری پکڑ بدوں کی۔ "سبحان اللہ۔۔۔ سبحان اللہ، تو تو مولوی، واعظ، مفتی ہو گیا محمد بلال ! پکا مسلمان اور سچا ایمان والا بھی، واہ مولا ! تیری شان !

تو رحیم، تو رحمان!

میں تجھ پہ قربان !!

محمد بلال! تم نے تو روح تک کو نہال کر دیا ہے۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ!! "ابراہیم فرط مسرت و عقیدت سے اللہ کے اس فیصلے پر خوش ہوتے ہوئے دل سے بولا۔

محمد بلال چائے کے برتن سمیٹ کر باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

"آپ نے تو میری رام کہانی سننے میں ہی سارا سمعے (وقت) بتا دیا ابراہیم بابو! کچھ اپنی بھی تو کہیں۔"

"واہ، واہ محمد بلال، سبحان اللہ، سبحان اللہ! تم تو دل و روح سے اللہ کو ماننے والے ہو گئے، ایمان اور زبان دونوں بدل گئے، گیان اور دھیان بھی کمال کا ہو گیا تمہارا۔۔۔ سچ میں اللہ کے بندے بن گئے تم۔ اتنا علم، اتنی فہم و ادراک یہ سب تو اللہ کے کرم کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے، ریاضت مجاہدے کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ اس نے تمہیں "اپنا" ماننے والا بنا ہی لیا آخر۔۔۔ اللہ اکبر۔ یاد ہے میں نے تجھے کہا تھا ناکہ۔۔۔!" شکر لال! اگر اس (اللہ) نے تجھے اپنے گھر بلانے کی ٹھان لی ہے تو وہ اب ٹلنے کا نہیں، ایمان پر ہی راضی ہو گا اور دیکھو کیسا راضی کیا اس نے تمہیں۔" ابراہیم نے مسکراتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"ٹھیک کہتے ہیں آپ ابراہیم بابو! اسے (اللہ) راضی کرنا ہی انسان کا دین دھرم ہے۔ اسے راضی کر لو، دنیا اپنے آپ راضی ہو جائے گی، اس کے کام میں لگ جاؤ تو وہ ہمارے کام میں لگ جاتا ہے، وہ کبھی کسی کا ادھار نہیں رکھتا۔ قرض سود سمیت لوٹاتا ہے، ایک نیکی پہ دس نیکیوں کا ثواب دیتا ہے، اس سے تجارت کرنے والا کبھی گھائے میں نہیں رہتا۔ نفع ہی نفع ہے اس کے ساتھ تجارت کرنے میں۔ جتنا انویسٹ کرو گے اس سے دگنا بلکہ دس گنا پاؤ گے۔ اچھا انویسٹ کر اچھا نفع پاؤ، نیکیاں جمع کراؤ، اور اجر ثواب، رحمت، جنت، منافع پالو۔ بڑا سیدھا سا فارمولا ہے

"اپنی کیا کہیں محمد بلال، ہماری تو وہی روٹین ہے، سرکار کی نوکری ہے، بیوی بچوں کی ذمہ داری پوری کرنے کے چکر میں سب بھلائے بیٹھے ہیں۔ بس پانچ وقت اللہ کے دربار میں حاضری دے دیتے ہیں۔ اب وہی جانے کہ یہ حاضری قبول بھی ہوتی ہے یا نہیں۔" ابراہیم نے ذرا سا مسکرا کے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ محمد بلال برتن رکھ کر واپس ابراہیم کے پاس آ بیٹھا۔

"کیوں ابراہیم بابو! اللہ پہ یقین نہیں ہے یا اپنی عبادت و حاضری پہ؟" محمد بلال نے حیرت سے اسے دیکھا اور سوال کیا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"اللہ پہ تو یقین ہے اس یقین کے ساتھ ہی ہم اس کے در اور گھر پہ حاضری دیتے ہیں۔ بس اپنے اعمال پہ یقین نہیں ہے۔"

"ابراہیم بابو! آپ تو بہت بھلے آدمی ہیں، نیک صفت ہیں، مجھے اذان نے اور آپ کے احسن اعمال نے ہی تو اس راستے پہ ڈالا ہے۔ ایک مسلمان کا حسن عمل ہی تو دوسروں کو متاثر کرتا ہے اور دوسروں سے اسے ممتاز بناتا ہے۔ آپ ایک نیک اور باعمل مسلمان ہیں، اچھے اور احساس کرنے والے، درد دل رکھنے والے انسان۔ یہ آپ کی عاجزی و انکساری ہے کہ آپ خود کو گناہ سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ اللہ تو غفور الرحیم ہے، رحمن ہے، کریم ہے، وہ معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند فرماتا

ہے، اس لیے اس سے معافی مانگتے رہنا چاہیے۔ مسلسل تکرار اور اصرار پر وہ متوجہ ہوتا ہے اور معاف بھی کر دیتا ہے۔ اور اس نے تو معاف کر ہی دینا ہوتا ہے کوئی سچے دل سے معافی مانگ کے تو دیکھے۔"

"ہاں میاں! محمد بلال آپ کا فرمانا بجا ہے۔ ہم تو آپ کے سامنے بہت حقیر، فقیر محسوس کر رہے ہیں خود کو، آپ گھر سے بڑا آدمی بننے کے لیے نکلے تھے اس (اللہ) نے آپ کو "بہت ہی بڑا آدمی" بنا دیا، بہت مبارک ہو آپ کو۔" ابراہیم نے اس کے ہاتھ تھام کر دل سے کہا۔

"ابراہیم بابو! آپ تو مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ آپ مجھ سے عمر میں بڑے ہیں، آپ تو مجھے "آپ کہہ کر مخاطب نہ کریں۔ آپ کی محبت اور عبادت ہم سے چھپی تو نہیں تھی۔ اگر آپ اس روز ریلوے اسٹیشن پر مجھے نہ ملتے تو شاید میں بھی آج اس مقام پر نہ ہوتا۔ آپ سے ملنے سے پہلے مجھے تو یہی لگتا تھا کہ بھگوان وہی ہوتا ہے، جسے ہم خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہیں، بناتے ہیں، سنوارتے ہیں، جیسی مرضی شکل میں جس کا دل چاہا من مرضی کی مورت بنالی اور اسے بھگوان سمجھ کر لگے پوجنے۔۔۔۔۔ یہ تو مجھے آپ سے مل کر اذان کا مفہوم سمجھ کر، مسجد میں داخل ہو کر پتا چلا کہ خدا وہ نہیں ہے جسے ہم بناتے ہیں بلکہ خدا تو وہ ہے جس

نے ہمیں بنایا ہے۔ جس نے اس کل کائنات کو بنایا ہے، جو اس پوری کائنات کا نظام چلا رہا ہے وہ ایک ہی ہے اور وہ ہے "اللہ تعالیٰ" وہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔ زندگی اور موت دینے والا بھی وہی ہے اور پتھر میں کیڑے کو رزق پہنچانے والا بھی اللہ ہی ہے۔"

قل هو اللہ احد، اللہ الصمد، لم یلد، ولم یولد، ولم یکن لہ كفوا احد o ترجمہ!

"آپ فرمادیجیے وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا ہے، اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے، اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔"

"بے شک، بے شک اللہ ایک ہے اور یہ احساس جتنی شدت سے آپ کو ہوا ہے بلال میاں! شاید یہ احساس اور یقین تو ہمیں بھی اتنی جلدی نہیں ہوا تھا، جیسی تو ہم پیچھے رہ گئے۔" ابراہیم نے محمد بلال کو رشک بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے قدرے رنجیدگی سے کہا۔

"ابراہیم بابو! آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں؟" محمد بلال نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بے چین ہو کر پوچھا تو وہ دھیرے سے ہنسا اور پھر اس کے

چہرے کو رشک سے دیکھتے ہوئے محرومی اور کم مائیگی کے احساس سے پر لہجے میں ہونٹوں پر مجروح سی مسکان سجا کر گویا ہوا۔

"ہم برسوں سے نمازیں پڑھتے، سجدے کرتے آرہے ہیں بلال میاں، مگر دیکھو، اس کے گھر کی مجاوری اور دیکھ بھال و صفائی ستھرائی کا شرف بتوں کو، پتھر کی مورتیوں کو پوجنے والے کو مل جاتا ہے، تو آپ ہی بتائیے مقبول عبادت کس کی ہوئی؟ محبوب کون ہوا اس اونچی شان والے کی نظروں میں؟ ہم سجدے کرتے رہے، تسبیح پھیرتے رہے اور رتبے سوا ہوئے ان کے، جو دل سے اس کی ایک پکار پہ اس کے دروازے پہ آن کھڑے ہوئے، اپنا دھرم، اپنا خون، خاندان، اپنی پہچان، اپنی زبان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے اس کے دربار میں حاضر ہو گئے، بڑے تو ہو گئے نا آپ بلال میں، ہم تو اپنی ہی نظروں میں چھوٹے ہو گئے، شرمندگی کا احساس دل میں سرایت کر گیا ہے کہ ہم تو جہاں روز اول تھے وہیں آج بھی ہیں۔ "بڑا آدمی" تو بلال "محمد بلال" بن گیا۔ ہم تو بہت چھوٹے ہو گئے، اپنے سامنے ہی کہ سجدے بھی اپنے مطلب کو کرتے ہیں۔ ہمیں حسد و رشک کے بیج جلنے کو چھوڑ دیا۔۔۔ واہ رے مالک! تیرے بھید۔ شکر لال "بڑا آدمی" بن گیا اور ابراہیم اس کے پاؤں کی دھول ہو گیا۔ واہ میرے مالک تیرے رنگ! سچ کہیں گے میاں محمد

بلال! ہمیں آپ سے جلن سی محسوس ہو رہی ہے، دل بہت خوش ہے آپ مسلمان ہو گئے ایمان والے ہو گئے مگر لگتا ہے دل اس بات سے کچھ زیادہ خوش نہیں ہے کہ آپ ہم سے آگے نکل گئے ہیں۔"

"میں تو پاپی ہوں، گناہ گار آدمی ہوں، ابراہیم بابو! آپ ایسا کہہ کر مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔" محمد بلال نے بے کلی سے جھینپ کر کہا۔

"شرمندہ تو ہم ہیں اپنے اعمال پر کہ ہم مسجد میں ایک اینٹ تک لگانے کی جرات نہ کر سکے، بنے پھرتے ہیں مسلمان اور ہمیں کبھی توفیق نہ ہوئی کہ مسجد کے گنبد پر اپنے عقیدے اور ایمان کا رنگ ہی کر دیں اور شکر لال نے ایک کٹر، جدی پشتی ہندو نے محمد بلال بن کر پوری مسجد کو اپنا گھر بنا لیا، پوری مسجد کو اپنے ایمان اور جذبے کی روشنی اور سچائی سے منور کر دیا۔ اللہ کے گھر کا مجاور بن گیا۔ شکر لال، محمد بلال بن کر۔ پوری مسجد میں جھاڑو پھیرنے، صفائی ستھرائی کرنے، پانی بھرنے، وضو کرانے، نماز کے لیے صفیں بچھانے کی ڈیوٹی سنبھال لی۔ وہ اذان، جسے سن کر شکر لال بھاگا کرتا تھا، اب وہی "اذان" اس کے دہن سے خوشنما لہن میں گونج کر مسلمانوں کو، اہل ایمان کو مسجد کی طرف کھینچ کر لاتی ہے۔ ایسا سوز و گداز اور محبت کی دلکشی ہے محمد بلال کی آواز میں کہ جو "اذان بلالی" کی یاد تازہ کر دیتا ہے

اور جو آواز مجھ جیسے گناہ گاروں کو بھی زمین پہ ماتھا ٹیکنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ۔"

"ابراہیم بابو! آپ تو خود نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں۔ تہجد بھی پڑھتے ہیں اور آپ مجھے "بڑا آدمی" اور اللہ کا "محبوب" بندہ کہہ رہے ہیں۔" محمد بلال ان کو شرمندہ سا دیکھ کر خود بھی شرمندہ ہو رہا تھا۔ آہستگی سے انہیں باور کرایا۔

"وہ اس لیے محمد بلال! کہ آپ کے چار سجدے، آپ کی چار نمازیں ہمارے چالیس برس کی نمازوں سے زیادہ افضل اور مقبول ہو گئیں ارے ہم تو پیدائشی مسلمان ہیں، مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے اس لیے مسلمان کہلائے اور پیدا ہوتے ہی ہمارے کان میں اذان بھی دے دی گئی۔ گویا ہم تو "اللہ اکبر" کی گواہی سے پیدا ہوتے ہی متعارف کروا دیئے گئے تھے۔ ہاں یہ اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں نماز اور قرآن پاک پڑھنے کی توفیق بھی عطا ہوئی جو کہ ہمارے ماں باپ کی بدولت ممکن ہوئی کہ وہ دونوں بھی نمازی، پرہیز گار تھے۔ شروع سے ہی ورنہ کچھ تو بس نام کے ہی مسلمان بھی ہیں جو پیدا ہوتے ہی اذان تو سن لیتے ہیں، مگر بد قسمتی سے جوان ہو کر کبھی اذان کی آواز پر لبیک کہنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی انہیں۔۔۔۔۔ اور نماز صرف ایک ہی بار ہی پڑھائی جاتی ہے ان کی "نماز جنازہ"

یعنی اذان اور نماز جنازہ کے درمیان کے وقفے میں انہیں نماز کی توفیق نہیں ہوتی ان کے حصے میں صرف نماز جنازہ ہی آتی ہے، ہم تو پھر بھی اللہ کے کرم سے نماز پڑھ لیتے ہیں اور من ہی من میں خود کو بہت متقی پرہیز گار بھی سمجھتے ہیں، ہا ہا۔" ابراہیم نے سنجیدگی سے کہا اور پھر خود ہی اپنی آخری بات پر ہنسنے لگے۔ محمد بلال بھی مسکرائے لگا۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا بلال میاں! کہ ہم تو پیدائشی مسلمان ہیں، اصل ایمان تو آپ لے کر آئے ہیں، اصل امتحان تو آپ کا تھا کہ آپ نے اپنا مذہب، مذہب ہی کیا اپنا خاندان، اپنی زبان، اپنی ہندی بولی تک چھوڑ دی، مسلمان ہونے کے لیے تو آپ کے تو ہر عمل پر آپ کو اجر ملے گا نا۔۔۔ زیادہ ثواب کے حق دار تو میاں آپ ہی ٹھہریں گے۔ کیونکہ آپ نے اپنی مرضی و دل سے سوچ سمجھ کر اپنے مذہب اور ماں باپ سے رشتے داروں سے منہ موڑا۔۔۔ بے شک اس میں اللہ کی مرضی شامل تھی کہ آپ کو وہ اپنے رستے پر لے آیا، لیکن اگر آپ کا دل نہیں مانتا تو آپ کیسے چھوڑ سکتے تھے سب کچھ؟ آپ نے خود کو اللہ کی مرضی کے مطابق ڈھال لیا، اپنا مذہب چھوڑا اور اللہ کا دین اپنا لیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بہت پسند

فرماتے ہیں جو اس کے لیے اپنا سب کچھ تہ تیغ کر آتے ہیں۔ وہ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتا ہے اور بہت اعلیٰ مقام و عہدے پر فائز کرتا ہے۔"

"کیا واقعی ابراہیم بابو؟"

"ہاں بلال میاں! آپ نے تو اعلیٰ مقام پا بھی لیا، اس سوہنے رب سے ہماری بھی سفارش کر دیجئے گا اس گناہ گار، خطاکار ابراہیم کو معافی دے دیں۔" ابراہیم نے سنجیدگی سے کہا تو وہ بولا۔

"ابراہیم بابو! آپ فکر نہ کریں وہ تو غفور و رحیم ہے۔ غفار ہے، معاف کرنا اس کی صفت ہے، شان ہے، وہ ہم سب کو معاف کر دے گا، بس دل سے معافی اور روح سے توبہ کرنا شرط ہے۔"

"ہاں میاں! ٹھیک کہتے ہیں آپ، جیتے رہئے اللہ آپ کے رتبے مزید بلند کرے، اپنی دعاؤں میں مجھ گنہگار کو ضرور شامل رکھیے گا بلال میاں۔" ابراہیم نے نرم لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابراہیم بابو! بھلا یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے، آپ تو میرے محسن ہیں، میں آپ کو کیسے بھول سکتا ہوں، مجھ بے گھر، بے یار و مددگار کو آپ نے سائبان دیا، پیٹ بھر کے کھانا کھلایا، میری وجہ سے آپ نے لوگوں کے طعنے بھی سنے، مجھے نوکری

دلوائی، آپ نے مجھے اس وقت سہارا دیا جب میں اپنوں کے سہارے سے محروم ہو گیا تھا، اس پر یہ کہ میں آپ کے مذہب کا بھی نہیں تھا، کٹر ہندو تھا اور آپ نے مجھ غیر مذہب کو اپنے گھر کی چھت مہیا کی، لوگوں کی باتوں سے تنگ آکر مجھے گھر سے نہیں نکالا، میں تو بہت احسان مند ہوں آپ کا، میری ہر دعا میں آپ کا نام شامل ہے اور مرتے دم تک شامل رہے گا۔"

"جزاک اللہ، جزاک اللہ بلال میاں! خوش رہیے۔" ابراہیم نے مسرور ہو کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے جو کیا وہ انسانیت کے ناطے کیا تھا اور وہ "اللہ" ہے نا۔۔۔ وہ کراتا ہے یہ سب وہ انسان کے دل میں نیکی ڈالتا ہے، احسان تو اللہ کی ذات بابرکات کا ہے ہم پر جو ہمیں نیکی کا، سچائی کا راستہ دکھاتا ہے جو ہمیں دین حق کی سمجھ عطا کرتا ہے، جو ہمارے نیک اعمال کو ہمارے تقویٰ کو ہمارے چہروں سے، رتبوں سے ظاہر کرتا ہے، لیکن ہمارے گناہوں کو ہماری خطاؤں کو دنیا سے پوشیدہ رکھتا ہے۔"

"بے شک، بالکل درست فرمایا آپ نے وہ تو بہت آسانیاں دیتا ہے انسان کو، وہ بڑی بڑی شرطیں نہیں لگاتا بلکہ صاف صاف محبت سے کہتا ہے کہ اے بندے تو میرے تھوڑے دیئے پہ راضی ہو جا قیامت کے دن میں تیرے تھوڑے کیے پہ

راضی ہو جاؤں گا۔ وہ تو بخشنے کے اور گناہ سے، برائی سے بچنے کے بہانے مہیا کرتا ہے، انسان کو اور وہ کہتا ہے نا کہ غصہ حرام ہے جب تجھے غصہ آئے تو مجھے یاد کیا کر، میں اپنے غضب کے وقت تجھے یاد رکھوں گا۔" محمد بلال نے نہایت نرم اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"سبحان اللہ، بے شک۔" ابراہیم ایمان افروز لہجے میں بولا۔ محمد بلال پھر سے گویا ہوا۔

"ابراہیم بابو! اللہ تو انسان کو اپنے سے محبت کرنے پہ اجر دیتا ہے وہ ادھار نہیں رکھتا کسی کا، اللہ کہتا ہے کہ میرے بندے اگر میں تجھے پسند ہوں تو یہ تیرا حق ہے کہ تو بھی مجھے پسند ہو۔"

"واہ واہ، سبحان اللہ، اللہ اکبر۔" ابراہیم نے فرط عقیدت سے جھومتے ہوئے کہا۔ "اس (اللہ) کی بات شروع ہو تو ختم ہو ہی نہیں سکتی ابراہیم بابو، لیں فجر سے ظہر ہونے کو ہے اب مجھے اجازت دیجیے، اذان ظہر کا وقت ہو رہا ہے۔ مسجد میں جا کر پہلے صفیں بچھا دوں پھر وضو، اذان اور نماز ہوگی۔ محمد بلال نے اٹھتے ہوئے گھڑی پر ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔

"خوش رہیے بلال میاں! جیتے رہیے۔ جزاک اللہ! دلی مسرت ہوئی آج آپ کو اس مقام پر، اس نئے روپ میں بلکہ اصلی اور سچے روپ میں دیکھ کر نیا نیا مسلمان بالکل نومولود بچے کی طرح ہوتا ہے خوبصورت، سادہ، کورا اور معصوم۔۔۔ آپ بھی بہت معصوم ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ آپ اسی طرح اپنی معصومیت و محبت میں ایمان کے بلند ترین درجے پر فائز ہوں گے ایک دن۔" ابراہیم نے اسے گلے لگا کر نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

"ان شاء اللہ! آپ کی دعائیں چاہئیں ابراہیم بابو!" محمد بلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ان شاء اللہ! ضرور کیوں نہیں؟ اور اب تو آپ سے ملاقات رہے گی۔ اس بار اس شہر کا سفر پاؤں میں لکھ دیا گیا ہے، چند روز یا ماہ و سال جتنے دن کا قیام لکھا ہے یہاں دانہ پانی چکنے، چکھنے کے بعد پھر کہیں اور چل پڑیں گے۔ جدھر کا بلاوا ہوگا ادھر کا سفر ہوگا۔"

"اللہ آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے۔" محمد بلال نے دل سے دعا دی تو وہ خوش ہو کر بولے۔

"آپ کو بھی۔" ابراہیم مسکرایا۔

"شکریہ ابراہیم بابو! آپ مسجد جائیں میں آپ کو وضو کرا دوں گا۔" محمد بلال نے اپنی جالی والی ٹوپی سر پہ جھاتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولا۔

"ارے نہیں میاں! آپ کیوں ہمیں گناہ گار کرتے ہیں۔ وضو ہم خود کر لیں گے آپ زحمت نہ کیجئے۔ آپ اذان دیجئے ہم وضو کر کے آتے ہیں۔"

"جی بہتر۔" محمد بلال خادم کی طرح آداب بجالاتے ہوئے مسجد کی طرف چل دیا۔ اور کچھ دیر میں محمد بلال کی ایمان افروز، روح پرور اور دلکش آواز میں اذان چار سو گونجنے لگی اور آس پاس کی فضا میں ایک پر کیف اور سرور انگیز احساس بکھیرنے لگی۔ شکر لال، محمد بلال بن کر مسجد میں نمازیوں کو گرمائے، پگھلانے اور مسجد تک کھینچ کر لانے کی کشش رکھتا تھا۔ ایسی کشش جو غیر مسلمان کو بھی اسلام قبول کرنے، مسلمان ہونے پر مائل کر دے۔ اور مسلمان کا دل اپنے آپ ہی نماز پڑھنے کو چاہنے لگے۔ سچ کہتے ہیں اذان دینے کا ہنر بھی کسی میں ہوتا ہے ایسا ہنر جو لوگوں کو مسجد کی طرف کھینچ لاتا ہے۔ نماز کی طرف لاتا ہے۔ انسان کو اس کے پروردگار سے، اس کے رب سے، اللہ سے ملاتا ہے، اذان سینے والے کے لہجے اور آواز میں اگر نرمی، محبت، ملائمت، عقدت اور ایمان کی روشنی نہ ہو تو ایمان والے بھی بے ایمان ہو جاتے ہیں۔ دین سے پھر جاتے ہیں۔ اسلام سے منحرف ہو جاتے

ہیں۔ تاریخ گواہ ہے، مگر سبحان اللہ محمد بلال کی آواز تھی کہ دل کا ساز کوئی جس نے اذان کی روح کو زندہ کر دیا تھا۔ اذان بلالی کا سا سرور و کیف، دلکشی اور گداز جو سننے والے ہر سامع کے دل و روح پر، ہوا اس پر طاری کر دیا تھا۔ ابراہیم احمد، محمد بلال کی اذان سنتے ہوئے فرط عقیدت و محبت سے بھیگتی آنکھیں لیے سوچ رہا تھا اور وضو کر رہا تھا۔

"کون کہہ سکتا تھا کہ یہ شخص جو مسجد میں اذان دے رہا ہے یہ ایک کٹر ہندو تھا، ہندو شکر لال۔۔۔ جو اب اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے مسلمان ہو گیا تھا۔ مسلمان بھی ایسا کہ جس پر مجھ جیسے مسلمان کو رشک آرہا تھا۔ یہ تو اللہ کا فیصلہ تھا، یہ مقام، یہ رتبہ تو شکر لال کے نصیب میں لکھا جا چکا تھا تو رب کا لکھا تو پورا ہونا ہی تھا۔ شکر لال بالآخر بڑا آدمی بن گیا تھا۔ بڑا آدمی محمد بلال۔۔۔ یہی اللہ کی چاہ اور اللہ کا فیصلہ تھا۔

"جسے چاہا در پہ بلالیا!!

جسے چاہا اپنا بنا لیا!!

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے!!

یہ بڑے نصیب کی بات ہے!!"

ابراہیم نے نماز کی نیت باندھی اور اللہ کے حضور حاضری دینے لگا۔ یہ احساس اسے اس لمحے مغرور سا بنانے لگا کہ نماز کی امامت ایک بڑا آدمی کرا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ختم شد